فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن اور فقہی مقام کی حقیقت

بریلی کا تعارف

کنز الایمان لغوی ترجمہ

احمد رضا اور نعیم مراد آبادی کی گستاخیاں

انبیا کی عصمت پر حملہ

احمد رضا علم حدیث سے محروم تھے

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں گستاخیاں

قرآن سے گالی کا ثبوت

بدزبانی کے نمونے

احمد رضا گستاخ رسول

بریلوی اور قادیانی

سود جائز ہے

علمی خیانتیں

احمد رضا کا انجام

قرآن وحدیث سے

تالیفات

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

ترتیب وتبویب

حافظ تنویر احمد شریفی

فاضل جامعہ یوسفیہ بنوریہ۔ کراچی

تحفظ نظریاتِ دیوبند اکادمی

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن

اور

فقہی مقام کی حقیقت

تالیفات

عالم ربانی محدث کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں ؒ

بانی جامعہ مدنیہ

ترتیب و تبویب

حافظ تنویر احمد شریفی

فاضل جامعہ یوسفیہ بنوریہ۔ کراچی

تحفظ نظریات دیوبند اکادمی

سلسلۂ اشاعت :	۲
اشاعت	محرم الحرام ۱۴۳۱ھ / جنوری ۲۰۱۰ء
کتاب	فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن اور فقہی مقام کی حقیقت
مصنف	شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاںؒ
ترتیب و تبویب :	حافظ تنویر احمد شریفی
کمپوزنگ	بنوریہ گرافکس کراچی
مطبع	اشہد پرنٹنگ سروس، کراچی
ناشر	تحفظ نظریات دیوبند اکادمی۔ کراچی

ملنے کے پتے

۱- مکتبۂ جنید، سہراب گوٹھ، کراچی
۲- مکتبۂ رشیدیہ، بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
۳- ادارۃ الانور، علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن، کراچی
۴- حاجی امداد اللہ اکیڈمی، مارکیٹ ٹاور، حیدرآباد
۵- مجیدیہ کتب خانہ، اردو بازار، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
۶- مکتبۂ عائشہ، حق اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور
۷- مکتبۂ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
۸- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، راول پنڈی
۹- مکتبۂ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

فہرست مضامین

فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی حقیقت

عرض مرتب

اللہ رب العزت کا بے شمار شکر ہے کہ اس نے حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیں پیدا کیا۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے اس طبقے سے وابستہ کیا جو ما انا علیہ واصحابی کے طریق پر ہے۔ اس حدیث پاک کا مصداق اس دور میں بلاشک وشبہ علمائے دیوبند ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اپنے اکابر کے دامن سے جڑا رکھے اور اسی پر موت دے۔ آمین

برصغیر پاک وہند میں اسلام کے لبادے میں ایک فرقہ ہمیشہ سے اکابر اسلام پر طعن زنی اور مسلمانیت سے خارج کرتا رہا ہے۔ اس فرقے کے پادری ہمیشہ اپنے علاوہ اکابر علمائے حق کو کافر ''بناتے'' رہے۔ نیز ان کے متبعین کو کفر کی بھٹی میں جھونکتے رہے۔ اس کام کے لیے انہوں نے قرآن وحدیث سے وہ وہ مسایل نکالے جو کبھی کسی مجتہد کی نظر سے نہ گزرے تھے۔ اکثر ان باتوں میں تضاد بھی ہوا ہے۔ پادریوں کے بادشاہ کو یاد ہی نہیں رہا کہ کس جگہ میں کیا صفحہ کالا کر آیا ہوں؟

ایک زمانے میں ان کا بڑا چرچا تھا۔ اب تو پیسے کے بل بوتے پر یہ فرقہ اپنے کو اکثریت ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہی پرانے گھسے پٹے الزامات اکابر حق پر لگار ہے جو خود اپنی موت آپ مرچکے تھے۔ ہمارے اکابر نے ان کے مسکت جوابات اپنے اپنے دور میں دیے ہیں، لیکن ہمارے اکابر کی یہ خدمات نایاب ہوتی جارہی ہیں۔

زیر نظر کتاب بھی وہی دُرِّ نایاب ہے جو دراصل تین مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس میں احمد رضا خان صاحب کے ترجمۂ قرآن پر "نقد و تبصرہ"، جس میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی گستاخیاں کی گئیں ہیں اور ترجمے میں جو غلطیاں ہیں ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔

دوسرا مقالہ غلام رسول سعیدی کی کتاب "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" پر تبصرہ ہے۔ بتلایا گیا ہے کہ اس "آلے حضرت" نے فقہ کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ حتیٰ کہ سود تک کو جائز قرار دے دیا۔

تیسرا مضمون غور و فکر اور دعوتی مضمون ہے۔ اسے مجموعہ کا مقدمہ بنا دیا گیا ہے۔

اول الذکر دونوں مقالے بالترتیب مدرسۂ تجوید القرآن رحمانیہ خانو خیل، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئے تھے۔ راقم الحروف نے اس کے اولین ناشر حضرت مولانا عطاء الرحمٰن رحمانی مدظلہ سے اجازت لے کر ان کو مرتب کیا۔ ابواب قائم کیے اور ذیلی عنوانات لگائے۔ اس طرح کتاب کی اب یہ صورت ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا السید حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ (بانی جامعہ مدنیہ۔ لاہور) کی ردِّ بدعات پر میری نظر میں جتنی تحریرات تھیں وہ اس کتاب میں جمع ہو گئیں۔

اس کی اشاعت کے لیے جس ادارے کا انتخاب کیا گیا وہ اپنے اکابر کی اسی نوعیت کی نایاب کتابوں کی اشاعت کا عزم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ "تحفظ نظریات دیوبند اکادمی" کے کارکنان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اس عزم پر ثابت قدم رکھتے ہوئے مسلک دیوبند کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں اپنے بزرگوں اور بعض دوستوں کا مشورہ اور دعائیں شامل ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے داماد حضرت مولانا نعیم الدین

مدظلہٗ (استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ۔ لاہور) اور برادرم مولانا محمد عابد حامدی زاد مجدہٗ (صفہ اکادمی۔ لاہور) کی خصوصی ہدایات اور مشورے باعث سعادت رہے۔ برادرم نعمان محمد امین نے تو اس کتاب کو پڑھا اور بعض مواقع میں قیمتی مشورے دیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اشاعت کے اسباب کے وقت روزانہ ان سے کسی نہ کسی امور میں بات ہوتی تھی تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا نعیم الدین مدظلہٗ کے قلم سے حضرت شیخ الحدیثؒ کے حالات زندگی شامل ہیں۔ اس سے آپ کی خدمات وعظمت کا اندازا ہوگا۔

''تحفظ نظریات دیوبند اکادمی'' نے جو مشن اٹھا رکھا ہے اس میں یہ بات شامل ہے کہ اس ادارے کی مطبوعات سے جو آمدنی ہوگی وہ اسی ادارے سے نایاب کتابوں کی اشاعت میں لگائی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

میری اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ کتابوں کی خریداری کی صورت میں ادارے سے تعاون فرمائیں اور ساتھ ساتھ اس فتنۂ بریلویت سے آگاہی کے لیے اپنے اکابر کی خدمات سے فایدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف ومصنف، مرتب، معاونین، ناشر اور قاری کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور اپنے مسلک حقہٗ سے وابستہ رکھے۔ آمین

تنویر احمد شریفی عفی عنہ
۲۳ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۳۰ھ
۱۱ر دسمبر ۲۰۰۹ء

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منڈی بہاؤالدین کے قریب قصبہ کھیالہ سیداں میں وعظ کے لیے بلوایا گیا، لیکن بریلویوں نے سازش کی اور ایک پیر صاحب نے لوگوں کو اکسایا کہ کچھ بھی ہو جائے وہابی کا وعظ مت ہونے دو۔ شاہ جی سے کہا گیا کہ شدید خطرہ ہے جلسہ ملتوی کر دیں۔ شاہ جی نے فرمایا مجھے تانگے میں بٹھادو! میں تو قصبے میں وعظ کروں گا۔ جب شاہ صاحب گاؤں پہنچے تو وہاں ایک گروہ فساد کی نیت سے کھڑا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ سکھ بغرض تماشا بھی کھڑے تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں قرآن سنانا چاہتا ہوں، گوردوارہ میں کچھ دیر کے لیے جگہ دو گے؟ خدا کی قدرت سکھوں نے خوشی سے منظور کیا اور شاہ صاحب کو ساتھ لے کر گوردوارہ میں چلے گئے۔ شاہ جی نے وہاں قرآن سنایا، سکھ ادب سے سننے لگے پھر "نور بھری" والا قصہ سنایا: نور بھری کی حکایت کی مثال دے کر شاہ صاحبؒ نے سامعین کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ فرمایا: کسی گاؤں میں ایک نور بھری نام کی عورت رہتی تھی نہایت بدصورت اور کریہ المنظر، چہرہ چیچک زدہ رنگ توے کی طرح کالا، کوئی اس کا رشتہ نہیں مانگتا تھا وہ پریشان رہتی تھی۔ اس نے ایک نابینا سے تعلق پیدا کر لیا اور اس سے کہا کہ حافظ جی! اگر آپ کی آنکھیں ہوتیں تو مجھے دیکھ کر مجھ پر ضرور عاشق ہو جاتے۔ میرا چہرہ گلاب کی مانند اور آنکھیں ہرنی کی طرح ہیں۔ غرض اس نے حافظ کو اپنا گرویدہ کر لیا اور ہر طرح سے عیش کرنے لگی۔ ایک دن اچانک اس نے ایک آواز سنی: "سرمہ اندھوں کا سجاکھا کرنے والا سرمہ"۔ نور بھری پریشان ہو گئی کہ اگر یہ آواز حافظ نے سن لی تو وہ ضرور سرمہ خرید لے گا اور اگر اس کی بینائی واپس آ گئی تو مجھے جوتے مارے گا کہ تو اپنے مصنوعی حسن کی تعریفیں کر کے مجھے لوٹتی رہی۔ وہ بھاگی اور جا کر سرمے والے سے کہا کہ حکیم جی! واقعی سرمہ اندھوں کو بینائی دے دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ آزما کر دیکھ لو۔ نور بھری خوف زدہ ہو گئی، اپنے عیش کو بچانے کے لیے حکیم سے ساری شیشیاں خرید لیں اور اسے واپس کر دیا تاکہ نابینا جس کے سر پر وہ عیش کر رہی تھی کہیں بینا نہ ہو جائے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اے قصبے والو! تم سب نابینا ہو تمہارے پیر اور صاحبزادگان نور بھریاں اور میں سرمہ بیچنے والا حکیم۔ تمہارا پیر مجھے اس لیے یہاں نہیں آنے دیتا تھا اگر تم نے سرمہ لگا لیا، آنکھوں کا نور واپس آ گیا تو ان نور بھریوں کے حسن کا پول کھل جائے گا۔ آج میں تمہاری آنکھوں میں سرمہ لگانے آیا ہوں تاکہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں اور ان کے مکروہ چہرے دیکھ سکو۔

(بخاری کی باتیں، ص ۱۹-۲۱)

مختصر حالاتِ زندگی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

خاندان، ماحول، نشو ونما اور تعلیم وتربیت:

آپ نسباً حسینی سید ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اکتالیس واسطوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان دیوبند کا سب سے پرانا خاندانِ سادات ہے۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سید محمود قلندرؒ شام کے شہر حمص سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ ایک مرتاض (تصوف میں مشقت اٹھانے والے) بزرگ تھے۔ عبادت وریاضت میں آپ کو غیر معمولی استغراق حاصل تھا۔

آپ کے معاصر مؤرخ عبدالقادر بدایونیؒ لکھتے ہیں:

> "شیخ محمود قلندر لکھنوی، شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلفا میں سے ہیں۔ وہ اسمائے الٰہیہ کے عامل تھے۔ ریاضت، فقر اور توکل میں ان کا بڑا مقام تھا۔ اس کے ساتھ لوگوں پر فیاضی سے خرچ کرتے تھے۔ لکھنؤ تشریف لائے تو آپ کی صحبت سے بہت لوگ شرف یاب ہوئے اور اپنے دور کے صاحبِ رشد وہدایت بنے۔ آپ کی وفات وہیں لکھنؤ میں ہوئی"۔ (منتخب التواریخ: ص ۱۸۶، بحوالہ تذکرہ ساداتِ رضویہ: ص ۷)

صاحبِ مفتاح العارفین تحریر فرماتے ہیں:

> "شیخ محمود قلندر کا مذہب حنفی اور مشرب شطاری تھا۔ آپ ہندوستان کے مشہور شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے، صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ شیخ محمود نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی"۔ (مفتاح العارفین بحوالہ تذکرہ ساداتِ رضویہ: ص ۷)

شیخ محمود قلندر کے ایک پوتے سید محمد ابراہیم تھے، جو اپنے دادا سے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں بیعت تھے، آپ اولیائے کاملین میں سے تھے، لکھنؤ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اشغال صوفیہ قادریہ میں مشغول ہوگئے۔ اپنے دادا شیخ محمودؒ اور شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی اتباع میں سیاحت اختیار کی، سیاحت کے دوران اکثر اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوکر روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔ برناوہ نامی مقام میں شیخ علاء الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مشورے سے قیام کے لیے دیوبند کو پسند فرمایا۔ سید محمد ابراہیمؒ نے ۵ر شوال المکرم ۱۰۳۳ھ میں بہ عہد جہاں گیر بادشاہ وفات پائی۔ دیوبند کے محلہ ''سرائے پیرزادگان'' میں مسجد کی جانب شمال آپ کا مزار مبارک مرجع عوام ہے۔ سید محمد ابراہیمؒ کے دو صاحب زادے ہوئے، بندگی سید محمد اسمٰعیلؒ اور شاہ محمد امینؒ۔

سید محمد ابراہیمؒ کی اولاد کا بڑا سلسلہ بندگی سید محمد اسمٰعیلؒ سے چلا۔ آپ کے سات فرزند ہوئے، جن میں سے سید شاہ شبلیؒ کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ ہوئے، سید منظور محمدؒ۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا کیے (۱) مولانا سید محمد میاں (۲) جناب سید احمد میاں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اپنے دور کے بے مثال محدث، اعلیٰ درجے کے مفسر، ماہر مفتی، بہترین مؤرخ، صاحب طرز ادیب وانشا پرداز اور دیوبند کے مشہور خاندان ''سادات رضویہ'' کے عظیم چشم و چراغ تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کیے جن میں سے ایک آپ کے عظیم اور قابل قدر فرزند حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ولادت:

۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ/ دسمبر ۱۹۲۶ء بہ روز پیر ہندوستان کے ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں ''راؤلی'' میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وہاں آپ کے دادا جان جناب سید منظور محمدؒ بہ سلسلۂ ملازمت قیام فرما تھے۔ آپ کا نام ''حامد میاں'' رکھا گیا۔ تاریخی

نام "سعید اختر" ہے۔

تعلیم وتربیت:

تعلیم وتربیت کے متعلق حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

> "میں نے الف، با، تا۔ حضرت مولانا قاری علی اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالعلوم دیوبند میں شروع کی ...... کچھ عرصے بعد والد صاحب دام مجدہم نے دیوبند سے سب گھر والوں کو مرادآباد بلالیا، وہاں جامعہ قاسمیہ میں حافظ نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے جو ٹانڈہ ضلع رام پور کے رہنے والے اور مقدس و معمر استاذ تھے، حفظ قرآن کریم شروع کیا۔ حافظ صاحبؒ نے سات حج کیے تھے، لیکن ابھی سورۂ آل عمران کا کچھ حصہ حفظ ہوا تھا کہ ان کی بہ مرض فالج وفات ہوگئی۔ ان کی وفات کے بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب مدظلہم سے جو ان کے ہم وطن اور شاگرد رشید تھے، تکمیل کی ..... مولانا قاری عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تجوید شروع کی اور جب تک وہ حیات رہے میں ان سے تقریباً سات سال مشق کرتا رہا...... پھر فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں، فارسی کی کتابیں والد صاحب سے بھی پڑھیں اور دیگر بعض معروف اساتذہ سے بھی۔ انوار سہیلی اور سکندر نامہ تک فارسی پڑھی۔ حساب، جغرافیہ بھی مدرسے میں پڑھا۔ کتب عربیہ مولانا اشفاق صاحب، مولانا نذیر صاحب، مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا انصار الحق صاحب، مولانا اختر الاسلام صاحب، مولانا سید واحد رضا صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی صاحب، حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ اور والد صاحب دام مجدہم سے پڑھیں۔ حضرت مولانا محب نور صاحب ہنوتی معقولات کے عظیم الشان استاذ تھے، ان سے شرح عقاید، جلالی مع حواشی، تصریح، شرح چغمینی، توضیح تلویح اور شمس بازغہ پڑھیں۔

یہ سب کتابیں جامعہ قاسمیہ مدرسۂ شاہی میں پڑھیں۔ دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی مرحوم ومغفور سے صدرا اور قاضی پڑھیں۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایۂ آخرین بحمد اللہ از اول تا آخر پڑھی۔ مولانا جلیل احمد صاحب دیوبندی خادم خاص حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے جلالین شریف پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم سے مشکوٰۃ کچھ عرصے پڑھی، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم سے مکمل کی۔ کتب دورۂ حدیث میں بخاری اور ترمذی شریف جلد اول حضرت شیخ الاسلام مقدس اللہ سرہ العزیز سے، ترمذی شریف جلد دوم، شمائل اور ابوداؤد حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، مسلم شریف حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے، نسائی شریف مولانا فخر الحسن صاحب مدظلہم سے، ابن ماجہ مولانا عبدالشکور صاحب عثمانی مہاجر مدینۂ منورہ رحمہ اللہ سے پڑھیں''۔

حضرت سید صاحبؒ کی اس تحریر سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے وقت کے کیسے بڑے بڑے اکابر علما اور اساطین علم وفضل سے کسب فیض کیا۔

دار العلوم دیوبند سے آپ کو جو سند ملی اس کے درج ذیل الفاظ سے آپ کی قابلیت وصلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

وهو عندنا جيد الفهم، ذكي الذهن، قادر على التدريس وله مهارة بالعلوم العربية

''آپ ہماری رائے میں نہایت فہیم اور ذکی وذہین ہیں، تدریس کی قدرت رکھتے ہیں اور آپ کو علوم عربیہ میں مہارت حاصل ہے''۔

بیعت وسلوک خلافت واجازت:

حضرت سید صاحب رحمہ اللہ نے دار العلوم دیوبند سے شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ

مطابق جولائی ۱۹۴۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوتے ہی آپ اسی سال ۲۵ رشعبان المعظم کو بعد نماز فجر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس سال تھی۔

ذکر و شغل سے آپ کو بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ بیعت ہونے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رؤیائے صالحہ اور بشارات منامیہ کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اسی سال آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اسی سال میرے محب و مشفق اور کرم فرما استاذ اور میرے خسر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ہم راہ حج کے لیے لے گئے، جزاہ اللہ عنی خیرا و تقبل منی و منہ''

یہ آپ کا پہلا حج تھا۔ اس کے علاوہ دو مرتبہ اور بھی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ دوسری مرتبہ ۱۹۶۴ء میں اور تیسری و آخری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں۔

حج سے واپسی پر آپ تکمیل سلوک میں مشغول رہے، حتیٰ کہ ۲۴ رشوال المکرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹ راگست ۱۹۴۹ء بہ روز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو درج ذیل گرامی نامے کے ساتھ سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی:

''میں آپ کو طرق اربعۂ معروفہ میں بیعت کرنے کی اسی طرح اجازت دیتا ہوں جس طرح میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ کو عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور آپ کے ذریعے سے فیض اکابر طریقت جاری فرمائے۔ جد و جہد اور مراقبہ و ذکر میں پوری مشغولیت کے ساتھ علوم دینیہ کے مشاغل کو جاری رکھیں اور اسلاف کرام کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ رزقنا اللہ وایاکم رضاہ وفضلہ فی الدارین، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۴ رشوال ۱۳۶۸ھ"

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۳، ص ۲۲۶)

پاکستان آمد:

۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ آپ ہندوستان سے کھوکھرا پار کے راستے افغانستان تشریف لے جانے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ آپ کو سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص قسم کا قلبی لگاؤ تھا، اسی مناسبت سے آپ بلخ میں مستقل قیام کا ارادہ رکھتے تھے۔ دورانِ سفر ٹرین میں آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ لاہور میں ایسے اتر و جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس خواب کے مشاہدے کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خط پہنچا کہ

"افغانستان جا کر کیا کرو گے؟ وہاں تو بادشاہت ہے۔ یہیں لاہور ہی میں کام کا موقع مل سکے گا۔ لاہور ہی رُک جاؤ"۔

چناں چہ آپ نے لاہور ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور حتی المقدور اشاعت علوم دینیہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج و ترقی میں مشغول ہو گئے۔

یہاں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس کے علاوہ میٹرک اور ایف اے کے امتحانات بھی اچھے نمبروں میں پاس کیے۔ بی اے کی نصابی کتب کا مطالعہ بھی کیا لیکن امتحان کا موقع نہ ملا۔

شروع میں کچھ عرصہ لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد جامع مسجد حنفیہ، گلی اکھاڑا ابو نائل، لاہور میں "احیاء العلوم" کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا۔ تعلیمی کام میں جب اضافہ ہونے لگا تو جگہ چھوٹی پڑ گئی، اس لیے آپ نے مسلم مسجد (۱) لوہاری گیٹ، کی مسجد

---

(۱) مسلم مسجد جسے ایک منارہ مسجد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، بریلوی مکتب فکر کی ہے اور اس وقت بھی تھی۔ اس مسجد میں حضرت شیخ الحدیث مولانا السید حامد میاں نور اللہ مرقدہ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا ←←

انارکلی اور مسجد نیلا گنبد کو اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور مدرسہ کا نام جامعہ مدنیہ رکھا۔ کم وبیش ۱۲-۱۳ سال ان مقامات میں تعلیمی سلسلہ کامیابی سے چلتا رہا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس لگائے ہوئے گلشن میں وقت کے چوٹی کے علما و مدرسین جمع ہو گئے جن میں حضرت مولانا سید میرک شاہؒ فاضل دیو بند، حضرت مولانا عبدالدائم جلالی فاضل دیو بند، حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم فاضل دیو بند وخلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبدالحمیدؒ سیتاپوری فاضل دیو بند، حضرت مولانا کریم اللہ دامانی فاضل دیو بند اور حضرت مولانا ضیاءالحق فاضل دیو بند نمایاں شخصیات ہیں۔ ان بزرگوں کے طفیل مدرسے کو چار چاند لگے اور جوق در جوق طلبا آنے لگے۔

انہی دنوں آپ نے بعد نماز مغرب مسلم مسجد میں درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا جو لوگوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس سے فیض یاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آنے لگے۔

جامعہ مدنیہ کریم پارک کا آغاز:

جب طلبا کی تعداد زیادہ ہونے لگی اور تین جگہ پھیلے ہوئے کام کو سنبھالنا مشکل

←← قاری محمد طیب قاسمی کی تقریر کا اعلان کیا، بریلویوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ تقریر نہیں ہونے دیں گے لیکن وہ اس میں ناکام رہے۔ بریلویوں نے بڑے بڑے غنڈے تقریر کے دوران مجمع میں بٹھائے تاکہ ہلڑ بازی کر سکیں۔ جنہوں نے حضرت حکیم الاسلام کو سنا ہے انہیں معلوم ہے کہ آپ کے بولنے کا انداز ہوش کا ہوتا تھا، آج کل کے مقررین کی طرح پر جوش نہیں ہوتا تھا۔ اللہ و رسول، اولیائے کرام کے واقعات اور اکابر دیو بند کے قصے آپ کی تقریر کا لازمی حصہ ہوتا تھا۔ آپ نے اسی طرح بیان شروع کیا۔ بریلوی سن کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ ہمارا ملا تو چیخنے چلانے، گلا پھاڑنے کے علاوہ کچھ جانتا ہی نہیں اور سوائے کافر کافر کی تسبیح پڑھنے کے ان کی تقریر میں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ ایک یہ بھی تو دیو بند کا مولوی ہے جو واقعی تقریر کا حق ادا کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتنے ہی بریلوی حضرت شیخ الحدیث کے معتقد ہو گئے۔ ان ہی میں ایک حاجی کالو نامی تھے، جو آپ کے جانی دشمن تھے۔ پھر وہ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ جامعہ مدنیہ کریم پارک کی عمارت اپنی نگرانی میں کھڑے ہو کر بنوائی۔ (شریفی)

ہوگیا تو آپ نے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں احباب کے مشورے سے کریم پارک راوی روڈ لاہور میں مدرسے کے لیے بڑی جگہ خرید کر مدرسہ کی تعمیر شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کے لیے بعض مخلص اور نیک بندے ایسے دے دیے جو اس تعمیری کام میں تن من دھن سے لگے رہے اور دنوں کے دنوں میں مدرسے کی عمارت اچھی خاصی تعمیر ہوگئی۔ چناں چہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۸ء میں آپ مسلم مسجد سے جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) میں منتقل ہوگئے اور تادم حیات اسی مدرسے میں قیام پذیر رہے۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے مدرسے کی ایسی خدمت کی کہ اسے ملک کے معروف اور بڑے مدارس کی صف میں لاکھڑا کیا۔ آپ مدرسے کے شیخ الحدیث اور مہتمم مقرر ہوئے اور اخیر زندگی تک ان مناصب پر فائز رہے۔ آپ نے مدرسے میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ شعبۂ تجوید و قراءات اور شعبۂ افتا بھی قایم فرمایا۔ فن طب و حکمت کے ساتھ ساتھ شعبۂ کتابت کا بھی اجرا فرمایا۔ آپ کو چوں کہ علمی کتابوں کے جمع کرنے کا بھی بے حد شوق تھا اس لیے آپ نے مدرسے میں ایک وقیع کتب خانہ بھی قایم فرمایا۔

- جامعہ مدنیہ جدید کے قیام کا ارادہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامعہ مدنیہ کی اس عمارت کو تعلیم کے لیے ناکافی خیال فرماتے تھے آپ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک بہت بڑا مدرسہ قایم کیا جائے، جس میں کم از کم سات آٹھ ہزار طلبا تعلیم حاصل کرسکیں اور اس کے ساتھ خانقاہ بھی قایم کی جائے۔ آپ نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے جگہ کی تلاش شروع کردی اور تلاش بسیار کے بعد ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں لاہور رائے ونڈ روڈ پر برلب سڑک تقریباً پچاس جریب رقبہ خرید کر مدرسہ اور خانقاہ کے لیے وقف فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اب دو سفر کروں گا، یہاں سے جامعہ مدنیہ رائے ونڈ روڈ اور وہاں سے مدینۂ منورہ، مگر عمر نے وفا نہ کی اور آپ کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے

مطابق آپ کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہم نے جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے اور آپ کے زیرِ اہتمام چار سو سے زاید طلبا وہاں تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔

بیعت و ارشاد، مجالس ذکر و فکر:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درس و تدریس کے ساتھ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی قایم فرمایا۔ بے شمار افراد نے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بہت سے خوش نصیب افراد منازلِ سلوک طے کر کے آپ کے خلیفۂ مجاز بنے۔ آپ سے اجازت بیعت حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم۔ کراچی
(۲) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ۔ خوشاب
(۳) حضرت حاجی محمود احمد صاحبؒ عارف۔ لاہور
(۴) حضرت مولانا فیض محمد صاحبؒ۔ خوشاب
(۵) حضرت مولانا غلام محمد صاحب سربازی ایران
(۶) حضرت۔ مولانا رشید فارسی صاحب۔ مکۂ مکرمہ
(۷) حضرت مولانا حامد علی شاہ صاحبؒ۔ فیروزہ
(۸) حضرت مولانا سید ظفر علی شاہ صاحب۔ چک جھمرہ، فیصل آباد
(۹) حضرت مولانا صالح محمد صاحب۔ مستونگ
(۱۰) حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ۔ لاہور

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسے میں مجالس ذکر کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ اس سلسلے کی ہفتہ میں دو مجلسیں ہوا کرتیں (۱) مجلس خاص (۲) مجلس عام۔

اوّل الذکر مجلس میں آپ کے مریدین اور اہل علم شریک ہوا کرتے تھے، یہ مجلس آپ کی نشست کے کمرے میں ہوا کرتی تھی، جس میں حضرت پہلے ذکر کرواتے، پھر درس حدیث ارشاد فرماتے۔ ثانی الذکر مجلس ہفتے میں ایک بار مسجد میں بعد نماز عشا ہوا کرتی، یہ مجلس مسجد میں آپ اس لیے رکھی تھی کہ مسجد کے نمازی بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

تصنیف و تالیف:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تصنیف و تالیف کا بھی خاصا شغف تھا، چناں چہ مختلف موضوعات پر آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ نے اپنی زیر ادارت ایک ماہ نامہ مجلہ انوار مدینہ کے نام سے جاری کیا جو رجب ۱۳۹۰ھ/ستمبر ۱۹۷۰ء سے شروع ہو کر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ/ جون ۱۹۷۴ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ جس میں آپ کے درس حدیث اور ادارتی مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ مختلف سیاسی و مذہبی موضوعات پر آپ کے وقیع مضامین ملکی روز ناموں اور دیگر مجلات میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کے بہت سے قیمتی مضامین جو غیر مطبوع تھے انہیں انوار مدینہ کی جدید اشاعت میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔

آپ کی سیاسی زندگی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی ذوق وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد مؤرخ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے اور آپ کے شیخ مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے امام تھے۔ اس لیے آپ میں سیاسی ذوق ہونا ایک فطری امر تھا۔ آپ ایک اصول پسند، جرأت مند اور بڑے سیاسی رہنما تھے۔ گذشتہ ادوار میں بہت سے سیاسی نشیب و فراز آئے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی۔ جس بات کو حق سمجھا

ڈنکے کی چوٹ پر کہا اور جس بات کو ملک وملت کے لیے مذہبی، قومی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی طور پر نقصان دہ سمجھا اس پر کھل کر تنقید کی اور قوم کو اس کی مضرت سے آگاہ کیا۔ آپ ایک عرصے تک اکابر علما کے ساتھ جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز پیر آپ کو جمعیت علمائے اسلام کا مرکزی امیر منتخب کیا گیا اور تا حیات آپ جمعیت کے امیر رہے۔

وفات حسرت آیات:

۱۳ رجب ۱۴۰۸ھ/۲ مارچ ۱۹۸۸ء بروز بدھ صبح تقریباً نو بج کر دس منٹ پر آپ کو دل کا دورہ پڑا۔ آپ کے معالج ڈاکٹر سید افتخار الدین صاحب کو فون کیا گیا، وہ فوراً تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب کو بھی بلالیا گیا، دونوں حضرات نے ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا، چناں چہ فوراً آپ کو میو اسپتال لے جایا گیا، وہاں فوری علاج کے بعد آپ کی طبیعت کچھ سنبھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دوسرے دن جمعرات کو دن کے دو بجے کے بعد اچانک طبیعت بگڑ گئی اور ڈاکٹروں نے مایوسانہ انداز میں کہا کہ دعا کی ضرورت ہے۔ آخر چار بجے ڈاکٹروں نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق مدرسہ آنے لگے۔ آپ کی میت کو ہسپتال سے گھر لا کر غسل اور تجہیز وتکفین کا اہتمام کیا گیا ۱۴ رجب ۱۴۰۸ھ/۴ مارچ ۱۹۸۸ء نماز جمعہ سے قبل یونی ورسٹی گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جس میں بے شمار علما ومشائخ اور عوام کے جم غفیر نے شرکت کی۔ امامت کے فرائض حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے ادا کیے۔ نماز جنازہ کے بعد قبرستان میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اولادواحفاد:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں روحانی اولاد کے علاوہ جسمانی اولاد میں پانچ لڑکے اور نولڑکیاں چھوڑیں۔ سب سے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب مدظلہٗ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے مہتمم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہٗ جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ کے مہتمم ہیں۔ مولانا سید وحید میاں صاحب ہندوستان میں مقیم ہیں۔ مولانا سید مسعود میاں صاحب جامعہ مدنیہ کریم پارک میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحب زادے مولوی حافظ سید مقصود میاں دورِ طالب علمی ہی میں تراویح میں قرآن پاک سناتے ہوئے انتقال کر گئے تھے۔

اس وقت حضرتؒ کی ایک اہلیۂ محترمہ حیات ہیں۔ بڑی اہلیہ محترمہ جو حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی تھیں انتقال کر گئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے، اپنی شایانِ شان آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کے لگائے ہوئے گلشن کو ترقی عطا فرمائے اور آپ کے اَخلاف کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

برائے مہربانی ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجیے

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ اَمَّا بَعۡدُ!

اہل سنت والجماعت حنفی:

بھائیو! جو شخص بھی اپنے آپ کو اہل سنت حنفی کہتا ہے مسلمان ہے۔ اُسے کافر سمجھنا، ذلیل نظروں سے دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء میں جب سقوطِ دہلی کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اس نے اہلِ سنت والجماعت حنفی مسلمانوں میں جن کی حکومت اس نے چھینی تھی پھوٹ ڈالنی شروع کی۔ اس سے پہلے کبھی متبع سنت علما کو کافر نہیں کہا گیا تھا اور نہ متبع سنت علما نے بدعتی علما کو کافر کہا تھا۔ یہ صرف سو سال کے اندر اندر انگریز نے انقلاب پیدا کیا، اس کی پالیسی ہی یہ تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔

اس مقصد میں سب سے زیادہ کارنمایاں فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب نے انجام دیا۔ انہوں نے متبعین سنت علمائے اہل سنت کی تکفیر (کافر قرار دینا) سرگرمی سے شروع کی۔ اسی کام میں ان کی ساری عمر گئی، لیکن یہ کام ان کے لیے اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک وہ ان حاملین فقہ وسنت علما پر پہلے فرضی جھوٹے الزامات جنہیں بہتان کہا جائے نہ لگالیں، انہوں نے اس غرض سے ان کے اوپر غلط عقاید رکھنے کا

الزام لگایا اور اپنے ماننے والوں کو اتنا برخلاف کیا کہ اگر یہ اکابر یہ کہیں اور لکھیں بھی کہ ہم پر یہ جھوٹا الزام ہے، ہمارا تو یہ عقیدہ ہی نہیں ہے تو بھی وہ ان کا اعتبار نہ کریں اور شک کرتے رہ جائیں۔

حالاں کہ ان کے عقاید صحیح ہونے کی دلیلیں بھی سامنے ہیں، مثلاً: یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سارے اہل سنت حنفی مدارس میں الف با کے قاعدے سے لے کر تفسیر کی آخری کتاب تک حدیث شریف کی تمام ہی کتابیں مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ، فقہ کی تمام ہی کتابیں ہدایہ آخرین تک، عقاید کی تمام ہی کتابیں، پھر فتوؤں کی تمام ہی کتابیں، غرض الف سے لے کر یا تک جو اہل سنت والجماعت (دیوبندی) حضرات کے یہاں پڑھائی جاتی ہیں وہی بدعتی علما (بریلوی حضرات) کے یہاں بھی پڑھائی جاتی ہیں، اس کو "درس نظامی" کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر جگہ ہر دو مکتب فکر کے علما اپنے اپنے فتوؤں میں جن کتابوں کے حوالے دیتے ہیں وہ سب ایک ہیں۔ اس میں آپ کو کہیں اختلاف نظر نہیں آئے گا۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے جو واضح ہے اور مدلل ہے۔ اگر اس میں ذرا غلط بیانی کا شبہ ہو تو آپ خود خاموشی سے اہل سنت دیوبندی اور اہل بدعت بریلوی مدارس میں تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ سب کے یہاں یہی نصاب ملے گا اور سب کے مفتی عالم گیری، شامی، قاضی خاں، البحر الرائق، فتح القدیر، بمبسوط وغیرہ سے ہی فتوؤں کے جواب لکھتے نظر آئیں گے۔

اختلاف کا پس منظر:

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف کہاں سے آیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کے بانی فاضل بریلی احمد رضا خان صاحب ہیں اور چوں کہ ان کی کتابوں کے علاوہ کہیں اختلاف تھا ہی نہیں، اس لیے انہوں نے اپنے انتقال سے پہلے یہ وصیت کر دی تھی کہ

"میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اُس پر مضبوطی سے قایم
رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے"۔ (وصایا شریف، وصیت نمبر۱۴: ص ۱۰)

یعنی قرآن وحدیث کے احکام تو فرض تھے ہی یہ تو تم سنتے آئے ہو، لیکن میرا مذہب کچھ اور ہے، وہ میری کتابوں سے ظاہر ہے، اس پر قایم رہنا بلکہ مضبوطی سے قایم رہنا اس سے بھی بڑا فرض ہے۔ وہ دین و مذہب جو انہوں نے اپنی کتابوں میں بھرا ہے صرف یہ کہ علمائے حق پر الزام رکھ کر انہیں جگہ جگہ کافر کہا ہے۔ ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں جگہ جگہ تکفیر ہی دکھائی دے گی یا نئے نئے مسایل جو انہوں نے بنائے ہیں تا کہ جھگڑے کی بنیاد بنیں۔ (اس لیے) وہ آج تک ان کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کی تکفیر کیے جارہے ہیں اور تفریق پھیلا رہے ہیں۔

انہیں پڑھانے والوں نے صحابۂ کرامؓ سے بھی بڑھادیا۔ (اور وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ)

"زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرامؒ کو یہ کہتے سنا ہے
کہ ان کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم
ہوگیا"۔ (وصایا شریف: ص ۳۲)

مذکورہ معروضات سے معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی کی کتابیں ہی فساد کی جڑ ہیں۔

اب آپ ہی سوچیے کہ آپ سنت کی پیروی کرنی چاہتے ہیں یا احمد رضا خان کی بدعات کی؟

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں یا فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کے؟

یقیناً آپ اہل سنت والجماعت ہیں، آپ حنفی ہیں، یقیناً عاشق رسول ہیں اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر جو چلے آپ اس کے بھی عاشق ہیں، اس لیے آپ ہر مسئلے میں بریلوی عالم سے یہ پوچھ لیا کریں کہ حدیث شریف میں اور فقہ

امام اعظمؒ میں کیا حکم آیا ہے؟ بس اسی پر عمل کریں اور اپنی آخرت سنواریں۔

بدعت:

پھر اگر بریلوی عالم یہ کہے کہ یوں کرلیا کرو۔ اگر چہ حدیث میں تو نہیں، تفسیر میں بھی نہیں اور فقہ میں بھی نہیں، لیکن یوں ہے ڈوں ہے، اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تو سمجھ لیا کریں کہ یہ نئی چیز نکال رہا ہے، اسے ثواب کا کام کہہ رہا ہے اور یہی کہہ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے محدث بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ ایسے مسئلے میں اس کی بات نہ مانیں، (کیوں کہ) اسی کو بدعت کہا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو اور اس پر سب علما متفق ہو جائیں، کوئی اسے بدعت نہ کہے تو ایسا مسئلہ اجماع امت کے تحت درست ہوگا، ورنہ اگر کچھ علما کہتے ہوں کہ یہ جائز ہے، اس میں حرج کیا ہے؟ اس میں یہ فایدہ ہے اور کچھ علما کہتے ہوں کہ یہ بدعت ہے تو وہ بدعت ہی کہلائے گا، وہ ثواب اور نیکی نہ بنے گا۔ (حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں یہ وضاحت فرمائی ہے)۔

حدیث پاک میں بدعتی کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ بدعت کی یہ نحوست بتلائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم بدعت میں لگ جاتی ہے تو سنت اٹھالی جاتی ہے۔ پھر سنت نہیں لُٹائی جاتی۔ آپ دیکھ لیں کہ بدعتی علمانے نئے مسئلے اٹھا کر ان کی پابندی کر رہے ہیں اور اتفاق واتحاد کے فرض کو مٹا رہے ہیں۔ بھائی بھائی میں نفرت ونفاق کا بیج بو رہے ہیں۔

بدعت کی جو تعریف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے وہ بدعت کی ایسی تعریف ہے جسے خود بدعتی علمانے صحیح تسلیم کیا ہے اور فاضل بریلوی کے دور میں یہ انوار ساطعہ اور براہین قاطعہ میں ضبط تحریر میں بھی آچکی ہے، لیکن انہوں نے کچھ لکھی اور کچھ چھوڑ دی ہے، کیوں کہ پوری بات لکھ دیتے تو اس تعریف کی رُو سے وہ خود بدعتی قرار پاتے۔ پوری عبارت یہ ہے جو علمائے اہل سنت کے افادے کے لیے درج کی

باقی ہے۔

وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادِهٖ فِيْ مَنَاقِبِ الشَّافِعِيِّ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا مَا اُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا اَوْ سُنَّةً اَوْ اَثَرًا اَوْ اِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ.

وَالثَّانِيَةُ مَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِوَاحِدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُوْمَةٍ وَقَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ يَعْنِيْ اَنَّهَا مُحْدَثَةٌ لَمْ تَكُنْ وَاِذَا كَانَتْ لَيْسَ فِيْهَا رَدٌّ لِّمَا مَضَى. هٰذَا آخِرُ كَلَامِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

(تہذیب الاسماء واللغات للامام النووی رحمۃ اللہ علیہ الجزء الاول من القسم الثانی حرف الباء، ص ۲۲)

''امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب مناقب شافعی میں لکھا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین میں (دین کا کام سمجھ کر) نئی چیزوں کی ایجاد دو قسم کی ہے، ایک وہ محدث (نئی ایجاد) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اقوال صحابہؓ یا اجماع کے مخالف ہو تو یہ وہ بدعت ہے جو ضلالت (گمراہی) ہے، دوسری قسم وہ ایسی نیکی کی ایجاد ہے جو سب علمائے مل کر طے کی ہو، جس میں کسی ایک بھی عالم نے مخالفت نہ کی ہو۔ یہ وہ محدث (نئی چیز ہے) جسے برا نہیں بتلایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے مہینے میں قیام (تراویح) کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بہت اچھی بدعت ہے یعنی یہ ایسی ایجاد ہے جو پہلے رائج نہ تھی اور جب شروع ہوئی تو اس میں کوئی رد وقدح نہیں کیا گیا، کیوں کہ یہ گزر چکی تھی (یعنی جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں دو دن اس پر عمل فرمایا تھا) یہ امام شافعی کی گفتگو کا آخری حصہ ہے"۔

اب جو لوگ کوئی بدعت نیکی کہہ کر ایجاد کرتے ہیں تو آپ اسے اس معیار سے جانچ لیا کریں کہ کیا سارے حنفی اہل سنت علما اس پر متفق ہیں یا نہیں؟ اگر سب متفق ہوں تو وہ جائز ہوگی، بدعت نہ ہوگی اور اگر اختلاف ہو تو بدعت سمجھیں۔ صرف اس نیکی پر عمل کریں جس پر سب علما کا اتفاق ہو۔

تازہ بدعت:

تازہ مثال دیکھ لیجیے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا رواج نہ اسلام کے شروع میں تھا، نہ پہلی صدی میں۔ حتیٰ کہ تیرھویں صدی گزری اور چودھویں صدی میں آکر یہ تقریباً ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا اور فوراً ہی اسے اسلام کا جز بنالیا۔ حالاں کہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء کے لگ بھگ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ شیعہ اپنی اذان میں اذان کے کلمات کے علاوہ جو کچھ بڑھاتے ہیں وہ سب بے اصل ہے۔ اذان اُن کے مذہب کے اعتبار سے بھی وہی ہے جو ہماری ہے مگر انہیں روکتے روکتے ہم نے خود ایک بدعت شروع کردی، جس کا کہیں پہلے ثبوت نہیں ہے۔ جسے بعض بدعتی (بریلوی) علما نے بھی منع کیا، ان کے فتوے بھی چھپے اور جس پر خود بریلی میں بھی پابندی سے عمل نہیں کیا جاتا(۱)۔

اگر اذان کے ساتھ یہ اضافہ شیعوں کے مقابلے کی نیت سے کیا گیا ہے تو بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے اذان کی اس شکل میں تبدیلی آتی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنا کردی تھی اور ہر مسلمان پر اس کی حفاظت ضروری تھی

(۱) بریلوی مکتبِ فکر کے مفتی مظہر اللہ جو فتح پوری مسجد دہلی کے امام تھے، پاکستان بننے کے بعد کراچی کے دورے پر آئے۔ کراچی میں ان کے لڑکے ایک مسجد میں امام تھے۔ مفتی صاحب نے جو نماز میں اذان سے درود دیکھا تو اپنے بیٹے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ سب چیزیں نہیں ہیں۔ تو بدعتی ہوگیا۔ (شریلی)

کیوں کہ دین مسلمانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اسے ویسا ہی رکھنا ضروری ہے جیسا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سپرد کر کے تشریف لے گئے ہیں۔

آگے......آپ یہ پوچھیے:

آپ یہ پوچھیے کہ اذان کے وقت کیا کرنا چاہیے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بتلایا ہے؟ بس اسی پر عمل کریں۔ حدیث پاک میں صاف آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب مؤذن کو اذان دیتے سنو تو مؤذن کے کلمات تم بھی کہتے رہو ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ پھر مجھ پر درود بھیجو، کیوں کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت اتارتے ہیں۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا مانگو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں ایک ہی بندے کے لیے ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میں وہ ہوں فَمَنْ سَأَلَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ حَلَّتْ عَلَیْهِ الشَّفَاعَةُ جو میرے لیے وسیلے کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی''۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۶۴، بحوالہ مسلم شریف)

یعنی اذان کے بعد درود شریف پڑھے، پھر اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ... الخ کی دعا پڑھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ طریقے پر عمل کریں اور بس۔

بدعت کا نقصان:

بریلوی علما بات بات پر یہ کہہ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ بدعات کو فروغ دیتے ہیں۔ حالاں کہ اس سے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی عبادت کی شکل بدل جائے گی اور دین کی کسی چیز کی شکل بدلنے کا اختیار آقا صلی اللہ

علیہ وسلم کو تھا، ہم غلاموں کو نہیں۔ ہمیں تو صرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم ہے کہ آنکھ میچ کر صرف اتباع سنت کرتے جائیں تو بیڑا پار ہو جائے گا۔

آخر آپ دیکھیے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی دو رکعتوں کے قعدے میں التحیات پڑھنے کے بعد درود پڑھنا منع ہے، بلکہ اگر کسی نے پڑھ لیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے غلطی کی، اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا۔ اگر آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے پوچھیں گے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اور کون سی حدیث میں آیا ہے کہ پہلے قعدے میں درود شریف مت پڑھنا؟ تو حضرت امام اعظمؒ یہی جواب دیں گے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابۂ کرامؓ نے ایسا نہیں کیا، اس لیے میں منع کرتا ہوں۔

اسی ایک تازہ بدعت کی مثال سے ہی آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ افضل شخص وہی ہے جو پرانے طے شدہ مسایل پر عمل کرے اور سنت پر قایم رہے۔ دوسروں کو بھی سنت پر عمل کی دعوت دے اور وہی ''اہل سنت والجماعت حنفی'' ہے اور جو نئے نئے مسایل پر چلے، جو صدیوں بعد ایجاد ہوئے ہیں وہ اہل سنت والجماعت میں نہیں ہے بلکہ بدعتی ہے۔ جو ان کے لیے جھگڑے بھی وہ پکا بدعتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائے گا اور آپ سے کیسے شفاعت چاہے گا؟

بدعت کا ایک اور نقصان:

بدعتی علما جب ایک دروازہ کھولتے ہیں تو عوام ایسے اور دروازے کھول لیتے ہیں۔ بدعتی علما جس چیز کو مستحب کہتے ہیں عوام اسے واجب بلکہ فرض بلکہ کفر واسلام کا مسئلہ بنا ڈالتے ہیں۔ پھر اس پر لڑائی جھگڑے فساد تک کی نوبت آتی ہے۔ مثال کے لیے صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) ہی کو لے لیجیے، بریلوی عالموں نے اسے بے اصل اور غلط لکھا ہے۔ احمد رضا خان صاحب کے شاگرد اور خلیفہ صدر الشریعہ امجد علی صاحب لکھتے ہیں:

"ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز غسل صحت فرمایا اور بیرونِ مدینۂ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا۔ وہ باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، سب بے ثبوت ہیں بلکہ حدیث کا ارشاد لَا صَفَرَ یعنی صفر کوئی چیز نہیں ایسے تمام خرافات کو رد کرتا ہے"۔

(بہار شریعت: حصۂ شانز دہم، ص ۵۸-۲۵۷)

لیکن اب اس کے بارے میں کوئی بدعتی عالم زبان نہیں کھولتا، کوئی منہ نہ رد کرتا ہے نہ ٹوکتا ہے، کیوں کہ بدعتی علما عوام کو دین نہیں سکھاتے، انہیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ نہیں دکھاتے۔ ان کا مقصد دین سکھانا نہیں بلکہ ان کا مطلوب دنیا ہے۔ ان کا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں بلکہ عوام کے منشا پر چل کر ان کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور اللہ ہم سب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلائے اور بدعات سے بچائے، آمین!

فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کے بدعتی فرقے کی بنیاد اہل سنت والجماعت پر الزام تراشی اور سب وشتم پر ہے اور ان کے اجتہادی مسایل کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے۔ انہوں نے ضعیف حدیثوں کو قابل عمل بلکہ حجت قرار دینے کی بہت کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں تقریباً ایک سو پچیس صفحات کا طویل مضمون بھی لکھا ہے۔ اس طرح ضعیف حدیثوں سے بھی انہوں نے جو مسئلہ نکالا اسے بھی جھگڑے اور تفریق کی بنیاد بنایا ہے۔

فاضل بریلوی کی فقاہت کی ایک مثال:

بہت سے مسایل میں انہوں نے اجتہاد بھی کیا ہے اور اس میں ان سے زبردست غلطیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے اصلاح کرنے والوں کا مذاق اڑایا ہے۔ مثلاً ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ نوٹوں میں سود نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ وہ کاغذ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنا ایک روپیہ کا کاغذ ایک ہزار میں بیچ میں دے تو بالکل جائز ہے۔ کیوں کہ ہر آدمی کو اپنی چیز کی قیمت لگانے کا اختیار ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک لمبا رسالہ لکھ ڈالا، اس کا نام "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" رکھ دیا اور اس میں ہر اس بزرگ کا مذاق اڑایا جس نے ان کے اس مسئلے کو غلط کہا اور اپنے مذکورہ بالا دلیل پر جمے رہے۔ انہیں فقہ کی عبارتیں بہت یاد تھیں وہ سب لکھ ڈالیں، مگر وہ فقیہ نہ تھے۔ ان کا علم غیر اصولی تھا، مطالعہ سے بڑھا تھا اور طبیعت میں بے حد ضد اور عناد تھا، اس لیے اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوئے۔ آپ جانتے ہیں کہ پانچ روپیہ کے نوٹ پر بھی یہ عبارت ہوتی ہے:

"بینک دولت پاکستان پانچ روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔
حکومت کی ضمانت سے جاری ہوا"

پھر گورنر بینک دولت پاکستان کے دستخط ہوتے ہیں۔

تو یہ کاغذ وہ کاغذ نہیں جس پر فاضل بریلوی نے قیاس کیا کہ بلا کراہت اپنے کاغذ کو چاہے ایک ہزار میں بیچ دے اسے اختیار ہے۔ یہ حکومت کا کاغذ ہے۔ مملکت کا بیت المال (اسٹیٹ بینک) اس کا جاری کرنے والا ہے۔ اس کے پانچ کے نوٹ سے پانچ کا اور ہزار کے نوٹ سے ہزار ہی کا نفع حاصل کر سکتے ہیں اور جب وہ ضمانت سے انکار کردے، نوٹ کینسل کردے تو ہزار کے نوٹ بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔ پانچ روپیہ کا نوٹ ہو یا ایک ارب کے نوٹ ہوں جب کسی بیرون ممالک میں چلے جاتے ہیں تو بین الاقوامی بینک کے ذریعے اتنے نوٹوں کا سونا، چاندی یا مال واسباب پاکستان کو

دینا پڑتا ہے اور اسٹیٹ بینک اتنے ہی نوٹ چھاپتا ہے جتنا اس کے پاس سونا چاندی یا مال و جائیداد و تمسکات ہوں۔ اگر نوٹ اس سے زیادہ مثلاً دُگنے چھاپ دے تو روپے کی قیمت آدھی کرنی پڑ جاتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ نوٹ ایک سرکاری دستاویزی کاغذ ہے۔ حوالہ اور ہنڈی کی طرح اس کا اصل مال جس کا یہ حوالہ ہے اسٹیٹ بینک میں ہے۔ یہ غرض سہولت انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی اس طریقے کو باقی اور جاری رکھا گیا ہے۔ سونا چاندی باہر نہیں لایا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح بیت المال میں اصل مال محفوظ رہے اور اس کے حوالے سے لوگ اصل مال کے برابر فائدہ اٹھاتے رہیں اور اسے اصل سونے اور چاندی کے روپیہ اور اشرفی کی طرح چلاتے رہیں۔ عام خرید و فروخت اور بڑی سے بڑی تجارت کرتے رہیں۔ اس لیے یہ عام کاغذ کی طرح ہرگز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو دس کا نوٹ قرض دے کر یہ کہے کہ مجھے تم ایک ماہ بعد گیارہ روپے کا نوٹ دو گے تو یہ سود ہی ہوگا۔

فاضل بریلوی کا مسئلہ اور اجتہاد بالکل غلط ہے اور چوں کہ نوٹ کی دوسری عرفی رواجی حیثیت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ اس سے اناج، کپڑا اور ہر قسم کا سامان خریدا جاتا ہے، حتیٰ کہ سونا چاندی بھی، اس لیے نوٹ پر نقدین یعنی سونا چاندی کا حکم بھی لگے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی۔

فاضل بریلوی کے پیروکار بدعتی علما ان کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا قلم محفوظ عن الخطا تھا، ان سے غلطی ہوتی ہی نہ تھی، لیکن یہ میں نے ان کی فقہی لغزش کی ایک مثال دی ہے، ان کی اس قسم کی لغزشیں ان کی کتابوں میں بے حد و حساب موجود ہیں۔ انہوں نے ان کو چھپانے کا یہ سہل طریقہ اختیار کیا کہ دوسرے بڑے بڑے علمائے سنت پر الزام تراشی کی، امت مسلمہ میں تفرقہ کا بیج بویا اور برصغیر کے متبعین سنت علمائے دیوبند کو وہابی قرار دیا۔

ہوسکتا ہے کہ یہ لغزش انگریزوں کی حمایت کا نتیجہ ہو۔ مسلمان نوٹوں پر سود حلال سمجھ کر چاندی کے سکے کے بجائے نوٹ پسند کرنے لگیں اور انگریز ہندوستان سے بے حساب چاندی سمیت لے جائیں، جس کی انہیں جنگ عظیم اوّل کے بعد شدید ضرورت تھی۔ انگریزوں کی حمایت ان کا جدی ورثہ تھی۔ مولوی احمد رضا خان کے پردادا حافظ کاظم علی خان بریلوی نے انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت: ص ۳۔ اقبال کے ممدوح علما: ص ۱۸)

احمد رضا خان صاحب نے انگریزوں کی جو خدمات انجام دیں انگریزوں نے اس کی تعریف کی۔ فرانسیسی رابن سن لکھتا ہے:

> "ان کا معمول کا طریقہ کار حکومت کی حمایت تھی اور جنگ عظیم اوّل اور تحریک خلافت میں انہوں نے مسلسل حکومت کی حمایت جاری رکھی اور ۱۹۲۱ء میں بریلی میں ترکِ موالات کے مخالف علما کی ایک کانفرنس منعقد کی، ان کا عوام پر خاطر خواہ اثر تھا لیکن مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی"۔ (سپرٹزم امنگ انڈین مسلمز: ص ۳۳۲)

انگریزوں کی حکومت اَب ختم ہوگئی ہے، اس لیے ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ احمد رضا خان صاحب کی تمام تحریرات کو ضبط کرے۔ کیوں کہ ان کی تمام تحریرات میں فساد کا درس دیا گیا ہے۔

"وہابی" کسے کہتے ہیں؟

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین (پیروکاروں) میں جس طرح پوری دُنیا میں مشہور روحانی بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غوث وقت گزرے ہیں، اسی طرح ان کے ماننے والوں میں کئی صدی بعد ساری دنیا میں مشہور عالم علامہ ابن تیمیہ گزرے ہیں۔ پھر ان کے بعد بارہویں تیرہویں صدی میں "محمد ابن عبدالوہابؒ" نجد میں گزرے ہیں، یہ بھی علامہ ابن تیمیہؒ کی طرح حنبلی عالم

تھے۔ان کے ماننے والے سب حنبلی ہیں، انہیں ہی "وہابی" کہا جاتا ہے۔ حنفی، شافعی اور مالکی کی طرح حنبلی مذہب کا شمار بھی اہل سنت والجماعت میں ہوتا ہے اور یہاں پاکستان، افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور ایران کے سنی حضرات سب حنفی ہیں۔ بمبئی اور جزایر مالدیپ وغیرہ میں کچھ شافعی حضرات بھی ہیں۔ درحقیقت یہاں کوئی وہابی سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر یہاں کے پکے حنفی علمائے اہل سنت والجماعت کو "وہابی" کہنا خالص جھوٹ اور الزام ہے، جو فاضل بریلوی اور ان کے پیروکاروں نے پروپیگنڈے کے لیے علمائے حق کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا اور اسی پر آنکھ میچ کر چلے جارہے ہیں۔

حامد میاں

اکاڑا ریلوے اسٹیشن سے متصل ریلوے پولیس چوکی کی ایک مسجد ہے، جہاں مولانا عبدالحنان (جو بخاری مسجد المعروف پل والی مسجد اکاڑا میں امام اور خطیب تھے) کا بریلوی حضرات کی مسلسل شرارتوں کی وجہ سے کچھ تنازعہ ہو گیا۔ یہ تنازعہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ مولانا عبدالحنان کا بیٹا اور داماد شہید کر دیے گئے، آخر جب بریلوی حضرات کو اپنے مقصد میں ناکامی کا یقین ہونے لگا تو وہ یہ معاملہ ساہیوال پورشہر کی عدالت میں لے گئے، جس کا جج عیسائی تھا اور در پردہ عیسائی جج کے پاس مقدمہ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ "اس کو بھڑکائیں گے کہ ان دیوبندیوں نے عیسائیت کے خلاف بڑا کام کیا ہے، یہی تمہارے ازلی مخالف ہیں اور اس طرح عیسائی جج کا فیصلہ اپنے حق میں ہونے کا غالب امکان ہے۔ اہل بدعت کے مقتدا مولوی غلام علی اکاڑوی اس معاملے میں سرفہرست تھے۔

چنانچہ بریلویوں کی جانب سے مولوی غلام علی اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی جج کے روبرو پیش ہوئے۔ مولانا نے فرقہ بریلویت کے بانی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا یہ فتویٰ بھری عدالت میں پیش کر دیا کہ "اگر کوئی سنی اپنی کوئی فریاد یا مقدمہ یا اپیل کسی عیسائی کے پاس لے کر جائے تو وہ مرتد ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کا نکاح باطل ہو جائے گا"۔ گویا "لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا"۔ بس مولانا کا یہ عبارت بھری عدالت میں پیش کرنا تھا کہ مولوی غلام علی اور ان کے حواری حواس باختہ ہو گئے اور عدالت برخاست کر دی گئی۔ بعد میں مولوی غلام علی نے اس ذلت و رسوائی کا داغ دھونے کے لیے تنہائی میں اپنی پگڑی مولانا امین صفدر کے قدموں میں رکھ دی اور تجویز صلح پیش کی۔ مولانا نے فرمایا کہ "آپ جج کے روبرو معافی مانگ لیں، ہم مقدمہ خارج کرنے کے لیے تیار ہیں"۔ چنانچہ مولوی غلام علی نے جج کے روبرو معافی مانگی اور مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

(علمی مجالس، ص ۲۱۷)

تبصرۃً وذکریٰ لکل عبدٍ منیب

نقد و تبصرہ

بر کنز الایمان و خزائن العرفان

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک لاہور

لکھنؤ انڈیا میں بہت بڑا شہر ہے، جس طرح دہلی ہے اس طرح لکھنؤ۔ یہ دونوں شہر اردو زبان کے گھر ہیں۔ اردو کے بڑے ماہرین یا دہلی میں ہوئے ہیں یا لکھنؤ میں۔ تو لکھنؤ میں مشاعرہ رکھا گیا۔ اب شاعر اپنی اپنی نظمیں اور اشعار لکھ کر لے آئے۔ موضوع تھا "مقام حسین رضی اللہ عنہ" اب ہر شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بغیر بلائے آ جاتے ہیں کہ ایک آدھ نعت پڑھ دیں گے، کچھ روپے اکٹھے ہو جائیں، کھانا مل جائے، اب جو ایسے تھے وہ سارے اکٹھے ہو جائیں، کھانا مل جائے گزارا ہو جائے گا، اب جو ایسے تھے وہ سارے اکٹھے ہوئے کہ اگر لکھنؤ میں مشاعرے ہونے لگے اور بڑے بڑے شاعر آنے لگے پھر ہمیں کون جلسوں میں بلائے گا؟ اس لیے ہمارے تو پیٹ کا مسئلہ بن رہا ہے، جس کی فکر کرنی چاہیے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ ایک نے کہا کہ آپ مجھے اپنا اعلیٰ حضرت مان لیں، جہاں میں شور مچاؤں آپ کو کچھ آئے یا نہ آئے آپ نے شور مچا دینا ہے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ سازش مکمل ہوگئی۔ اب سارے مجمع میں کوئی ادھر کوئی اُدھر پھیل کر بیٹھ گئے اور اعلیٰ حضرت اسٹیج کے قریب بیٹھ گئے۔

پہلا شاعر کھڑا ہوا، اپنی نظم کا پہلا مصرعہ یہ تھا "کان نبی کا گوہر یکتا حسینؓ ہے"۔ دو تین دفعہ اس نے مصرعے کو دہرایا۔ اعلیٰ حضرت کھڑے ہو گئے کہ کافر بے ایمان ہمارے نبی کو کانا کہتا ہے۔ اب جو ادھر اُدھر بیٹھے تھے سارے کھڑے ہو گئے کہ کافر کافر کافر کافر۔ اللہ کے نبی پاک کو کانا کہا ہے۔ کافر کافر کا شور مچ گیا۔ شاعر بڑا پریشان، یا اللہ! یہ دیہات تو ہے نہیں یہ تو شہر ہے وہ بھی لکھنؤ۔ ان کو "کان" کا مطلب نہیں آتا؟ جس سے ہیرے موتی جواہرات نکلتے ہیں۔ میرا تو مطلب یہ ہے کہ نبی کی کان کا ایک موتی حسین ہے، انہوں نے کیا مطلب نکال لیا۔ اب وہ گھبرا گیا اور سوچا کہ موتی سیپ سمندر سے بھی نکلتے ہیں۔ اب اس نے مصرعہ تبدیل کر دیا: "بحر نبی کا گوہر یکتا حسینؓ ہے" اتنے میں اعلیٰ حضرت اور اس کی پارٹی اسٹیج پر پہنچ گئی کہ یہ بڑا کافر ہے، پہلے ہمارے نبی کو کانا کہا پھر بہرا کہا۔ بس جناب اس کی پٹائی شروع کر دی۔ اب سارے شاعر سمجھائیں کہ اس کا مطلب تو اور ہے۔ کہنے لگے نہیں! تمہیں کوئی گالی دے تو پتا چلے، اللہ کے نبی کو گالی دی ہے۔ تمہارے باپ تمہارے استاد کو گالی دے تو پتا چلے۔ اب تم تاویلیں کرتے ہو۔ وہ نبی کو گالیاں دیتا ہے تم تاویلیں کرتے ہو۔ اب اندازہ لگائیں کہ وہ سب پریشان اور اعلیٰ حضرت اور اس کی پارٹی آج تک کہہ رہی ہے کہ وہ کافر کافر۔ (خطبات صفدر: ج ۲، ص ۳۲۰-۳۲۱)

تعارف

بہ قلم: حضرت مولانا عطاء الرحمٰن زاد مجدہٗ

حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بالآخر حق کو بلندی اور فتح حاصل ہوتی ہےاور باطل خایب وخاسر ہوتا ہے۔

گزشتہ دور میں متحدہ ہندوستان میں ایشیا کی عظیم اسلامی یونی ورسٹی دارالعلوم دیوبند حق وصداقت کی ترجمان تھی اور آج بھی ہے، ان شاءاللہ العزیز آیندہ بھی رہے گی۔ یہ عظیم دارالعلوم جسے دیکھ کر فرنگی کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا، جس سے فارغ التحصیل ہونے والے مختلف صلاحیتوں کے مالک ہونے کے علاوہ عظیم مجاہد، فعال کارکن، فرنگی حکومت کے بیخ کن اور میدان سیاست کے بہترین شہ سوار ہوتے تھے، تو پھر کیوں فرنگی کو اپنا مستقبل تاریک نہ نظر آتا؟! اس نے اپنا مستقبل روشن دیکھنے کی خاطر کئی جتن کیے۔ علمائے حق کے مقابلے میں علمائے سو پیدا کیے۔ جن کا مشغلہ علمائے حق کو برا بھلا کہنا اور بے دریغ کفر کے فتوے صادر کرنا تھا۔ اسی قسم کا ایک ''دارالتکفیر'' بریلی میں تھا، جس کے بانی ومؤسس آلے حضرت احمد رضا خان بریلوی تھے، جن کی تکفیر کا نشانہ سب سے زیادہ علمائے دیوبند اور اس کے علاوہ ہر وہ تحریک تھی جو انگریزی

حکومت کے خلاف اٹھتی تھی، بلکہ ہر وہ جس کو ان سے ذرہ بھر اختلاف ہو۔ اسی لیے مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کہا تھا۔

جب سے چھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انعکاس وانعطاف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف (۱)

اس کے علاوہ جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی نے قوم کو چند مخصوص اور خود ساختہ عقاید دیے، جس سے اسلام کے بنیادی عقاید کی عمارت بہ خوبی منہدم ہو سکے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ، تاکہ معراج اور ہجرت کا اعزاز ختم ہو۔ مختار کل کا عقیدہ، تاکہ شفاعت مذنبین کا تمغہ نہ رہے۔ علم غیب کلی کا عقیدہ تاکہ وحی کی آمد کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

انہی خود ساختہ عقاید کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے وہ جا بجا قرآن پاک کے ترجمے میں تحریف اور بد دیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں، جس کو ان کے اخلاف نے قرآن پاک کی روح کا ترجمہ کہہ کر قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

۱..... قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ (سورۂ انعام: ۵۰)

"تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا، میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔ (ترجمۂ احمد رضا بریلوی)

---

(۱) اس کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہمارے ادارے کی کتاب "رضا خانیوں کی کفر سازیاں" مطالعہ کیجیے۔ (ناشر)

لا اعلم الغیب کا ترجمہ "میں آپ غیب جان لیتا ہوں" عربی گرامر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن یہ ترجمہ اس باطل عقیدے کے تحفظ کے لیے کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ جیسا کہ جناب احمد یار خان گجراتی لکھتے ہیں کہ

"اولیاء اللہ کے لیے دورونزدیک یک ساں ہے۔ جب ان کی نظر دور وقریب کو یک ساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دورونزدیک کی آوازسن لیں تو کیوں شرک ہوا؟" (جاء الحق: حصہ اول، ص۱۶۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

"تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست" (جاء الحق: ص۶۳)

یہ آیت اس باطل عقیدے کو سبوتاژ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن محدث دیوبندی) رحمۃ اللہ علیہ نے جو کیا ہے وہ صحیح ترجمہ ہے، دیکھیے:

"تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے۔ اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔"

۲......قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط (سورۂ اعراف:۱۸۸)

"تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔"

(ترجمۂ احمد رضا بریلوی)

یہ آیت اس باطل عقیدے کی نفی کر رہی تھی جس کی تعلیم احمد رضا خان صاحب بریلوی نے "حدائق بخشش" میں یوں دی ہے

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

(حدائق بخشش، حصۂ اول، ص ۲)

اس باطل عقیدے کے تحفظ کے لیے لَا اَمْـلِکُ کا معنی خود مختار نہیں کیا ہے۔

اب صحیح ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھیے :

"تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ اسی قسم کی آیت جب سورۂ یونس: ۴۹ میں آئی ہے تو وہاں مولوی احمد رضا خان صاحب نے ترجمہ صحیح کیا ہے۔ ملاحظہ ہو!

"تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔"

یہاں اختیار کے لفظ سے پہلے بریکٹ میں ذاتی کے لفظ کا اضافہ ہے اور یہ اضافہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ خان صاحب اتنے محتاط نہیں تھے بلکہ بیشتر الفاظ ترجمے میں وہ اپنی طرف سے زیادہ کر دیتے ہیں اور کوئی بریکٹ وغیرہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ ہو۔ نویں پارے والی آیت پہلے واقع ہے اور عموماً دلیل میں وہی آیت پیش کی جاتی ہے، تو اس کے ترجمے میں تو اپنی طرف سے من بھاتا ترجمہ کر دیا، لیکن گیارہویں پارے میں جب یہ آیت واقع ہوئی تو بھول گئے۔ واہ رے خان صاحب تیری مسلمانی! اور یہ خان صاحب کی عادت ہے، اسی قسم کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

۳ ... قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (سورۂ کہف: ۱۱۰)

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے۔"

(ترجمۂ احمد رضا بریلوی)

یہاں ظاہر صورت کسی قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ خان صاحب کا اپنی طرف

ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مترجم کی طرف سے اضافہ ہے،لیکن منصب احتیاط خان صاحب سے کوسوں بعید ہے۔اب رہا یہ کہ خان صاحب ظاہر صورت کا اضافہ کرنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اور پھر اس اضافے کو ظاہر کیوں نہیں ہونے دیا۔اس کی وجہ بھی ایک باطل عقیدے کا تحفظ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہری صورت میں بشر اور انسان تھے،حقیقت میں وہ نوری مخلوق سے تھے۔جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نوری ہونے کے باوجود انسانی شکل میں بھی آجاتے تھے اور یہ آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو ثابت کر رہی ہے،اس لیے خان صاحب کو یہ اضافہ کرنا پڑا اور اس اضافے کو اس لیے چھپایا تاکہ اردو دان حضرات یہ سمجھیں کہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ ہے اور قرآن پاک میں اسی طرح آیا ہے۔ عموماً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر استدلال کے لیے یہ آیت پیش کی جاتی ہے،اس لیے خیانت کا ارتکاب اسی آیت میں کیا،لیکن جب یہی آیت سورۂ حم السجدہ:۶ میں آتی ہے تو وہاں یہ ترجمہ کیا ہے۔

''تم فرماؤ! آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں''

یہ ہے آلے حضرت کی دیانت۔چند مثالیں آپ کی خدمت میں بندے نے پیش کی ہیں اور مزید کچھ تبصرہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور،خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) کے قلم سے ملاحظہ فرمایے،جس سے ان بلند بانگ دعووں کی قلعی خوب کھل جاتی ہے جو اس ترجمہ وحاشیے کو عام کرنے کے لیے اور عوام الناس کو قرآن کے نام پر گم راہ کرنے کے لیے ایک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

خان صاحب بریلوی اس میدان کے آدمی نہیں تھے جس میں ان کو متبعین کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ان کی فقاہت کا بھی خوب چرچا کیا جا رہا ہے۔اس پر حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کا ایک اور مقالہ ''فاضل بریلوی کی فقہی حیثیت'' بھی اس زیر نظر

مقالے کے ساتھ شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

جو شخص جس میدان کا نہ ہو اس کو ایسے میدان میں لانا ذلت و رسوائی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خان صاحب بریلوی کا محبوب ترین مشغلہ "تکفیر بازی" تھا۔ ان سے جو بھی کوئی ذرہ بھر اختلاف کرتا تو گالی گلوچ اور کفر کا فتویٰ اس بے چارے کا مقدر بن جاتا۔ اب ذرا کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان ملاحظہ فرمایئے:

(۱) اشقیاء (۲) یہ سب کے سب مرتد ہیں (۳) طحد (۴) کذاب (۵) بددین (۶) دوزخ کے کتے (۷) شیطان کے گروہ (۸) بدکار (۹) ملعون (۱۰) دغاباز (۱۱) مکار (۱۲) شیطان کے چیلے (۱۳) ان کا شیخ ابلیس (۱۴) بکواس کرنے والے (۱۵) کافروں سے بدتر (۱۶) کفری نجاستوں میں بھرے (۱۷) ہر مجلس میں ان کی تحقیر واجب، ان کی پردہ دری صواب!

یہ چند گالیاں ہم نے مقدمہ "الشہاب الثاقب" از مولانا انوار احمد صاحب ایم کام علیہ الرحمۃ سے نقل کی ہیں۔ جس میں لکھتے ہیں کہ "خلاصہ فوائد فتاویٰ" میں احمد رضا خان صاحب نے چودہ صفحات میں تقریباً سات سو گالیاں جمع فرمائی ہیں۔

یہ تو مترجم کا حال تھا، اب ذرا محشی صاحب جناب نعیم الدین مراد آبادی کی زبان ملاحظہ فرمایئے، اگر اور کوئی ہوتا تو ہم اس کو "بازاری زبان" کے نام سے موسوم کرتے، لیکن یہاں کیا کریں کہ ایک آلے حضرت ہیں اور دوسرے ماشاء اللہ صدر الافاضل ہیں!

آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رئیس المجاہدین، خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز تصنیف "تقویۃ الایمان" جو کہ شرک و بدعت کے قلعوں پر بجلی بن کر گری، اس کے جواب میں ایک کتاب بنام "اطیب اللسان"

نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے لکھی۔ پھر مرادآبادی صاحب کے جواب میں ایک اہل حدیث عالم مولانا حافظ عزیز الدین صاحب مرادآبادیؒ نے "اکمل البیان" کے نام سے ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے صفحہ ۷ پر اطیب البیان میں شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی گالیوں کو جمع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) ظالم (۲) بے دین (۳) سؤ واللہ وجہک (۴) مفتری (۵) تھوک دو اس بے حیا کے منہ پر (۶) دشمن دین (۷) بدنصیب (۸) بدباطن (۹) جاہل (۱۰) بدلگام (۱۱) نابینا (۱۲) بدبخت (۱۳) گم راہ (۱۴) جھوٹا (۱۵) دغاباز (۱۶) نافرجام (۱۷) قاتلہم اللہ تعالیٰ (۱۸) گستاخ (۱۹) نابکار (۲۰) بے ایمان (۲۱) مردود۔

اب فرمایئے! کیا یہ کسی مترجم یا مفسر کی زبان ہو سکتی ہے؟ جس گھر میں رہ کر مترجم ومفسر بنا جاتا ہے اس گھر کی زبان تو قال اللہ، قال الرسول ہے۔ یہ تو کسی اور گھر کی زبان ہے۔ ان بزرگوں کی "مغلظات" کا ایک علاحدہ موضوع ہے، یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آخر میں ہم بریلوی حضرات سے صرف اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ اپنے ان اکابر کو ترجمہ، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کے میدان میں لانے کی کوشش مت کریں۔ وہ تو دنیا سے جا چکے ہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، لیکن اس میں خواہ مخواہ آپ کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حقایق پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا، وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ آپ اپنے اکابر کو کب تک غلط رنگ میں پیش کرتے رہیں گے؟ آپ کے سابقہ بزرگوں نے اچھا کام کیا کہ اس ترجمہ وحاشیے کی آج تک (یعنی ۱۹۸۰ء تک) اشاعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کاش کہ آپ بھی سمجھ جاتے تو اس ترجمے کو شایع کر کے رسوا نہ ہوتے۔

اگر بندے کی تحریر میں کوئی تلخی محسوس ہو تو بندے کو مجبور سمجھیں، کیوں کہ آخر آپ نے بھی تو حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے لے

کر علمائے دیو بند تک کے تمام تراجم کو گمراہ کن کہہ کر آخرت سے اپنی بے خوفی کا ثبوت دیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ.

تو اس لیے اگر بندے کی تحریر میں کچھ شدت آگئی ہو تو ان لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا پر محمول فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہ رسایل ۱۹۸۳ء میں مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ، خانو خیل (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) سے شایع ہوئے تھے۔ اب کراچی کا جدید مسلکی اشاعتی ادارہ "تحفظ نظریات دیو بند اکادمی" جو اکابر دیو بند کی نایاب کتب شایع کرنے کا عزم رکھتا ہے، جدید، خوش نما کمپوز کرا کے عمدہ انداز سے شایع کر رہا ہے۔ اس ایڈیشن میں حافظ تنویر احمد شریفی نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے مقالے میں ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا ہے، اس لیے یہ ایڈیشن ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کارکنان "تحفظ نظریاتِ دیو بند اکادمی" کی اس حق گوئی کو قبول فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥

یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٥

عطاء الرحمٰن رحمانی عفا اللہ عنہ

خادم شعبہ درس نظامی

مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ خانو خیل

یکم شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

۱۴ نومبر ۲۰۰۴ء بروز اتوار

باب(۱)

بریلی کا تعارف

بریلی صوبۂ یوپی انڈیا میں ایک شہر کا نام ہے۔ پنجاب سے گزر کر کلکتہ جانے والی لاین پر یہ شہر آتا ہے۔ پنجاب کی سرحد دریائے جمنا پر ختم ہوتی ہے، اس کے پار یوپی کا پہلا شہر سہارن پور آتا ہے، پھر ضلع بجنور کا حصہ، پھر مراد آباد، پھر ضلع رام پور اور پھر بریلی۔ بریلی کا فاصلہ پنجاب کی سرحد سے دوسو میل کے قریب ہے۔ بریلی انگریزوں کے زمانے میں بھی ضلع تھا اور وہاں دماغی امراض کا ہسپتال مشہور تھا۔ ریاست رام پور کو اب ضلع بنادیا گیا ہے، ریاست پہلے ضلع مراد آباد میں داخل تھی، اس طرح مراد آباد اور بریلی ایک دوسرے سے متصل اضلاع تھے۔

احمد رضا اور نعیم الدین – ایک ذہن کے دو پڑوسی:

''علامہ'' احمد رضا خان صاحب بریلی میں تھے اور نعیم الدین صاحب مراد آباد میں۔ ایک صاحب نے ترجمہ لکھا اور دوسرے نے تفسیر۔

فاضل بریلوی شوال ۱۲۷۲ھ جون ۱۸۵۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کا لٹریچر پٹھانی میں لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے پڑھا اور ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مارہرہ کے سجادہ نشین سید آل رسول صاحب سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ فاضل بریلوی نے پہلا حج ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں کیا اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں کیا(۱)۔

---

(۱) انوار رضا ص ۳۶۔

انہوں نے ترجمۂ قرآن پاک جس کا نام کنز الایمان رکھا ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں لکھا اور لکھوایا(۱)۔ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/ نومبر ۱۹۲۱ء میں ان کی وفات ہوئی (۲)۔

کنز کس طرح وجود میں آیا:

اعلی حضرت بریلویہ کا یہ ترجمۂ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا؟ اس کی تفصیل ان کے سوانح نگار بدر الدین احمد رضوی کی زبان سے سنئے:

''صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمے کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلی حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمایا، لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلی حضرت نے فرمایا: چوں کہ ترجمے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات سونے کے وقت یا دن میں قیلولے کے وقت آجایا کریں، چناں چہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمے کا طریقہ یہ تھا کہ اعلی حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے، لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے، بعدہ آیت کے معنی کو سوچتے، پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔

(۱) محاسن کنز الایمان: ص ۱۸

(۲) انوار رضا ص ۳۶

پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمے کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرالیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بہ دولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔" (سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا: ص ۲۷۵-۲۷۴)

خان جی کے نزدیک لفظی ترجمے کی خرابی:

اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کے ساتھ شروع اوراق میں بہ عنوان "اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ" ایک مضمون شامل اشاعت کیا گیا ہے، اس میں ایک عنوان ہے "قرآن کریم کا تفسیری ترجمہ نہ کہ لفظی ترجمہ" اس میں لکھتے ہیں:

> "اگر قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کردیا جائے تو اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوں گی۔ کہیں شان الوہیت میں بے ادبی ہوگی تو کہیں شان انبیا میں اور کہیں اسلام کا بنیادی عقیدہ مجروح ہوگا۔ چنانچہ آپ مندرجۂ بالاتراجم (جن کا آلے حضرت کے ترجمے سے موازنہ کیا گیا ہے) پر غور کریں تو تمام مترجمین نے قرآنی لفظ کے اعتبار سے براہ راست اردو میں ترجمہ صحیح کیا ہے" الخ (مقدمہ، ص ۹)

ترجمہ صحیح ماننے کے باوجود تقابل نگار نے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر ملت کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

ملت بریلویہ کا خان جی کو حضرت امام اعظم کا درجہ دینے کی کوشش:

اعلیٰ حضرت کے بعض معتقدین ان کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ نہ جانے کس دل سے؟ فقط مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خان انہیں لکھتے ہیں اور

اسے ثابت کرنے کے لیے صرف ان کی تعریف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر دوسرے اکابرامت کی تنقیص بھی کرتے ہیں۔ دوسروں کی تنقیص کر کے وہ گویا اپنے ماسوا سب اہل سنت والجماعت کو اس کا جواب دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اپنے اعلی حضرت کے سوا دیگر مترجمین کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''بالفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کے سبب حرمت قرآن، عصمت انبیا اور وقار انسانیت کو بھی ٹھیس پہنچی ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تعالی نے جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے ان تراجم کی بدولت وہ حرام قرار پا گئی ہیں اور ان ہی تراجم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ بعض امور کا علم اللہ رب العزت کو بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کا ترجمہ کر کے وہ خود بھی گم راہ ہوئے اور مسلمانوں کے لیے گم راہی کا راستہ کھول دیا۔'' (ص ۱)

مداحین خان جی کے نزدیک کنز کی خامیاں:

مذکورہ بالا عبارت میں جو عیوب دوسرے تراجم قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ خود احمد رضا خان صاحب کے'' بہ قول ان کے مداحین کے ''تفسیری ترجمے میں بھی یہ عیوب ہیں، بلکہ صرف ان سے ہی نہیں ان کے تفسیری ترجمے کے مفسر صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی سے بھی ایسی ہی سخت غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ان سے ایسی غلطیاں کیوں ہوئی ہیں؟ جب کہ انہوں نے ان ہی غلطیوں سے بچنے کی خاطر ترجمہ نہیں کیا بلکہ تفسیری ترجمہ کیا ہے۔ کیا قرآن پاک کی عبارات ہی ایسی ہیں جن کا چاہے تفسیری ترجمہ کیا جائے، پھر بھی ایسی ہی صورت بن جائے گی یا فاضل بریلوی اور ان کے مداحوں کو یہ شوق ہو گیا ہے کہ وہ بلاوجہ الزام اہانت لگاتے ہیں؟ حقیقتاً وہ عند اللہ اور از روئے شریعت اہانت نہیں ہوتی۔ انہوں نے جس طرح کے الزامات دوسروں پر لگائے اللہ تعالی نے انہیں بھی ایسی عبارات سے نکلنے نہیں دیا ہے۔ ہم مثال کے طور پر چند غلطیاں دکھاتے ہیں۔

باب(۲)

احمد رضا خان اور نعیم الدین کی سنگین گستاخیاں

وحی الٰہی اور شیطان کی بولی:

ا:حسب ذیل تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب اور صدر الا فاضل دونوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وحی الٰہی اور شیطان کی بولی ایک ہو جاتی تھی۔

دیکھیں قرآن پاک میں سورۂ حج کی آیت ۵۲، موجودہ نسخے کا صفحہ ۵۰۵

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی.

''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔''

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ.

اس کے شان نزول میں صدر الا فاضل منظر کشی کرتے ہوئے مزید وضاحت فرماتے ہیں:

''جب سورۂ والنجم نازل ہوئی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں اس کی تلاوت فرمائی اور بہت آہستہ آہستہ آیتوں کے درمیان وقفہ فرماتے ہوئے جس سے سننے والے غور بھی کر سکیں اور یاد کرنے والوں کو یاد کرنے میں مدد بھی ملے۔ جب آپ نے آیت وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی پڑھ کر حسب دستور وقفہ فرمایا تو شیطان نے مشرکین کے کان میں اس سے ملا کر

دو کلمے ایسے کہہ دیے جن سے بتوں کی تعریف نکلتی تھی۔ جبریل امین نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حال عرض کیا۔ اس سے حضور کو رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی"۔

اس ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی جو مدار ایمان ہے شیطان اس میں ملاوٹ کر سکتا تھا اور وہ معاذ اللہ کبھی کبھی غیر محفوظ ہو جاتی تھی یا پہلے غیر محفوظ ہوتی تھی، پھر اصلاح و نسخ کے بعد وہ درست کی جاتی تھی۔ یہ اعتقاد خلاف اسلام، عصمت وحی اور حرمت قرآنی کے منافی ہے۔ کیا کنز الایمان پڑھنے والوں کا ایمان سلامت رہے گا؟ اگر یہ جھوٹی روایت لکھنی ہی تھی تو پہلے تفسیر تو صحیح لکھ دی ہوتی پھر لکھ دیتے کہ بعض لوگوں نے یہ روایت بھی بیان کی ہے جو غلط ہے، لیکن انہوں نے غلط اور صحیح کی تمیز کیے بغیر صرف غلط ہی روایت پر مدار رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں علم حدیث پر دسترس نہ تھی اور ایسے آدمی کو نہ ترجمہ کرنا چاہیے نہ تفسیر۔

محتاط مترجمین اور خان جی:

مقالہ نگار اعظمی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

"ایک عربی یہودی یا نصرانی یا ہمارے یہاں جنہوں نے عربی زبان پڑھی ہے وہ بھی اس قسم کا ترجمہ کر سکتے ہیں تو آپ جو کہ عالم دین کہلاتے ہیں تفاسیر اور حدیث وفقہ کی تعلیم سے آراستہ ہیں بغیر سوچے سمجھے لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیں تو آپ میں اور ان میں کیا فرق ہو گا؟" (ص ۳)

مضمون نگار اعظمی صاحب کے یہی کلمات ہم دہراتے ہیں، حالاں کہ احمد رضا خان صاحب نے بہ قول ان کے قرآن کریم کی روح کا ترجمہ کیا ہے الفاظ کا نہیں، اور پورے پورے معنی لیے ہیں کچھ چھوڑا نہیں ہے۔

دوسرے مترجمین کا آپ لوگوں نے یہ قصور بتلایا تھا کہ انہوں نے لفظی ترجمہ

کر دیا۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ دوسرے مترجموں نے زیادہ احتیاط کی تھی یا اعلیٰ حضرت نے زیادہ احتیاط کی؟

وضاحتی ترجمے میں سارا بوجھ اپنے سر:

حقیقت یہ ہے کہ جو وضاحتی ترجمہ کرتا ہے وہ کئی معنی میں سے ایک معنی انتخاب کر کے گویا سارا بوجھ اپنے سر لے لیتا ہے اور جو ایک ایک لفظ کو غور کر کے نظم قرآنی کا صرف ترجمہ کرتا ہے وہ زیادہ ذمے داری محسوس کر کے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ اگر چہ اعجاز قرآنی کی وجہ سے کلمات کا حق ادا کرنے سے ہر ایک قاصر ہے اور جب عربی جیسی جامع زبان میں قرآن پاک کے کلمات کے بجائے عربی کے کلمات بھی لانے ناممکن ہیں تو دوسری زبان میں کون لا سکتا ہے۔ مقدمہ نگار کو اپنے مضمون میں صرف یہ لکھنا چاہیے تھا کہ یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اس کا ترجمہ کوئی بھی کر لے حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ مگر انہوں نے دعووں کے پہاڑ کھڑے کر دیے اور اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے سامنے سب تراجم میں کمی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اکابر امت کی شان میں اس قدر سخت زبان استعمال کی جس سے معاذ اللہ ان کا جاہل ہونا یا کافر ہونا دماغ میں بیٹھے۔ ہم بالکل صحیح بات کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں ایسی ایسی خامیاں ہیں کہ جن سے ایمان واسلام اور وحی الٰہی سب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

مذکورۃ الصدر آیت کو ہی لے لیجیے! کس خوبی سے اسلام کی بنیاد انہوں نے اکھاڑ پھینکی ہے کہ پڑھنے والے کی نظر میں تمام انبیا اور رسولوں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا اعتبار نہ رہے۔

غرض اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر کا ایک فائدہ تو یہی سامنے آیا کہ عصمت وحفاظت وحی کا انہوں نے صفایا کر دیا۔ انہوں نے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی، فرشتوں کی، تمام انبیا کی، رسولوں کی، وحی الٰہی کی اور اسلام کی سب کی توہین کی ہے۔ کفریہ اور باطل باتوں کو قرآن اور اس کی تفسیر بنا دیا ہے۔ اب آپ کے اعلیٰ حضرت نے

چھوڑا ہی کیا ہے جو آپ اسلام پر قائم ہیں۔ یہ ہے دوسروں کو کافر کہنے کا ادبار!

حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر حملہ:

۲: اعلیٰ حضرت بریلوی کے ترجمے کی فضیلت پر جو مقالے لکھے گئے ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر میں جو روح قرآنی کا ترجمہ و تفسیر ہے عصمت انبیا کا پورا پورا تحفظ کیا گیا ہے۔

ان مضمون نگاروں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ دیکھیے تیسویں پارے میں سورۂ صٓ نکالیے، اس کے دوسرے رکوع میں ہے:

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ (آیت: ۲۳)

"بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی۔"

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

"یہاں جو صورت مسئلہ ان فرشتوں نے پیش کی اس سے مقصود حضرت داؤد علیہ السلام کو توجہ دلانا تھی اس امر کی طرف جو انہیں پیش آیا تھا، وہ یہ تھا کہ آپ کی ننانوے بیبیاں تھیں، اس کے بعد آپ نے ایک اور عورت کو پیام دے دیا، جس کو ایک مسلمان پہلے ہی پیام دے چکا تھا، لیکن آپ کا پیام پہنچنے کے بعد عورت کے اعزہ و اقارب دوسرے کی طرف التفات کرنے والے کب تھے؟ آپ کے لیے راضی ہو گئے اور آپ سے نکاح ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مسلمان کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا، آپ نے اس مسلمان سے اپنی رغبت کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے، وہ آپ کے لحاظ سے منع نہ کر سکا اور اس نے طلاق دے دی، آپ کا نکاح ہو گیا"۔

اس سے آگے آیت ۴۴ کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

''اور نبی (یعنی آیت میں نَـفـجَةٌ کا لفظ) ایک کنایہ تھا، جس سے مراد عورت تھی، کیوں کہ ننانوے عورتیں آپ کے پاس ہوتے ہوئے ایک اور عورت کی آپ نے خواہش کی تھی، اس لیے دنبی کے پیرائے میں سوال کیا گیا، جب آپ نے یہ سمجھا''۔

اب آپ فرمایے کہ انبیا کے بارے میں اسرائیلیات کی ایسی مکروہ اور غلط باتیں لکھنے کی جگہ قرآن پاک کا حاشیہ ہی رہ گیا تھا؟ اور کیا ان باتوں سے عصمت انبیا مجروح نہیں ہوئی؟ کیا ان مقالہ نگاروں کے لیے اس غلط تفسیر کی تعریف جائز ہے؟ اور ان کی تعریف کی وجہ سے جو مسلمان اس تفسیر کو پڑھے گا وہ گمراہ نہ ہوگا؟

میں بریلوی حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ اس ترجمہ و تفسیر کی اشاعت بند کردیں۔ ایمان زیادہ عزیز ہے یا احمد رضا خان اور نعیم الدین صاحبان؟

پہلی آیت اور تفسیر سے وحی الٰہی کا غیر محفوظ ہونا اور اس دوسری آیت کی تفسیر سے انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا صفایا ہو رہا ہے۔

مترجم اور مفسر علم حدیث سے عاری:

فاضل بریلی احمد رضا خان صاحب ہوں یا صدر الا فاضل نعیم الدین صاحب مرادآبادی!!! معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر احادیث پر نہ تھی۔ جو روایات نظر پڑیں چاہے وہ اسرائیلیات (یہودیوں کی بنائی ہوئی روایتیں اور ان کے یہاں معروف زبان زد قصے) ہی ہوں تفسیر میں درج کرڈالیں۔ اگر حدیث پر نظر ہوتی تو پہلے صحیح تفسیر لکھتے، پھر غلط تفسیر کی غلط ہونا بتلاتے، لیکن انہوں نے غلط تفسیر ہی پر بنیاد قایم کرڈالی۔

وحی الٰہی اور شان انبیا پر اس ترجمہ و تفسیر سے جو زد پڑتی ہے وہ آپ کے سامنے

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں گستاخی:

۳: ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمالیجیے، جس سے عصمت صحابہ کرام مجروح ہوتی ہے۔
اٹھائیسویں پارے کی آخری سورۃ تحریم نکالیے، اس کی چوتھی آیت ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا

''نبی کی دونوں بیبیو! اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے ہٹ گئے ہیں''۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلویہ)

اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ قرآن کی روح سمیت ترجمہ کیا ہے۔ حالاں کہ ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی عظمت ملحوظ رکھتے ہوئے فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیے تھا جس میں یہ مفہوم ادا ہوتا کہ ضرور تمہارے دل توبہ کی طرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ یہی ترجمہ ان کی عظمت شان کے مناسب ہے۔ کیوں کہ وہ دنیا اور آخرت میں آپ کی ازواج مطہراتؓ ہیں اور ہم ازواج کے ساتھ ''مطہرات'' (یعنی خدا کی طرف سے پاکیزہ بنائی ہوئیں) کا لفظ بھی لگاتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے مناسب شان ترجمہ وہ ہے جو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اکابر رحمہم اللہ نے کیا:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا

''اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے''۔

یعنی اب اگر توبہ کرتی ہو تو یقیناً تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔
قرآن کریم کے لفظی ترجمے سے تو یہ اچھی بات بن رہی ہے اور اعلیٰ حضرت نے جو اپنی طرف سے اپنے ترجمے میں ''راہ سے'' اور ''کچھ'' کے الفاظ بڑھائے ان سے معنی خراب ہو رہے ہیں اور یہاں بھی اعلیٰ حضرت نے ترجمے میں تفسیر کو داخل کر کے ذمے داری اپنے اوپر لے لی ہے۔ فاضل بریلویہ کے ترجمے میں ایسی باتیں جا بجا

۹.بی پڑی ہیں۔ تو یہ ترجمہ کیسے افضل ہوا؟ حقیقتاً ایسا ترجمہ خلاف دیانت وتقویٰ ہے ۱۱، عوام کے لیے گمراہیوں کا سبب ہے، کیوں کہ ایک عام آدمی اعلیٰ حضرت کی بڑھائی ہوئی عبارت کو بھی یہی کہے گا کہ "قرآن پاک میں آیا ہے۔" حالاں کہ وہ خود خان صاحب کے الفاظ ہوں گے، قرآنی الفاظ مبارکہ کا ترجمہ نہ ہوگا۔ آپ نے جو اس تفسیری ترجمے کی محض لفظی ترجمے پر فوقیت بیان کی ہے وہ غلط ہے۔ اگر خان صاحب لفظی ترجمہ کرتے تو ان پر بار نہ آتا، کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہی یہ ہے اور اس میں توجیہ تشریح اور تاویل کی گنجائش ہوتی۔

صدر الا فاضل کا بیان کردہ لغو شان نزول:

حاشیہ دیکھیں تو صدر الافاضل نے اس کا قصہ مزے لے لے کر بیان کیا ہے کہ

> "سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے محل میں رونق افروز ہوئے، وہ حضور کی اجازت سے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور نے حضرت ماریہ قبطیہ کو سرفراز خدمت کیا، یہ حضرت حفصہ پر گراں گزرا۔ حضور نے ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا کہ میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیا اور میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ میرے بعد امور امت کے مالک ابوبکر وعمر ہوں گے (رضی اللہ عنہما)۔ وہ اس سے خوش ہوگئیں اور نہایت خوشی میں انہوں نے یہ تمام گفتگو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی۔ اس میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔"

بخاری شریف میں ان آیات کی شان نزول کا اور واقعہ آیا ہے وہ انہوں نے موخر کر دیا، اسے خوب دل چسپ بنا کر پیش کیا۔

خان جی نے احادیث پڑھی بھی نہیں:

اعلیٰ حضرت نے تو باقاعدہ حدیث کی کتابیں پڑھی ہی نہ تھیں۔ زیارت حرمین

شریفین کے موقع پر کچھ اکابر کو چند حدیثیں سنا کر ان سے سند حدیث لے لی تھی، لیکن صدر الافاضل نعیم الدین صاحب نے تو باقاعدہ حدیث کی کتابیں پڑھی تھیں، اسی لیے وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اہانت نہیں کرتے۔ جب کہ احمد رضا خان ان کی تعظیم نہیں کرتے، مگر انہیں اتباعِ احمد رضا خان نے خراب کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صدر الافاضل کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے لیے عربی محل کا لفظ لانا پھر اس میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا والی روایت سے دلچسپی اور اعلیٰ حضرت کا قلوب ازواج مطہراتؓ کے لیے راہ سے ہٹنے کا جملہ استعمال کرنا ایک خاص بے راہ روی کا پتا دیتا ہے، جس میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلی مبتلا تھے اور اس رو میں نعیم الدین صاحب بھی بہہ گئے۔

مدح کی آڑ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی:

فاضل بریلوی نے اس کا اظہار ذرا کھل کر "حدائق بخشش" حصہ سوم میں مدح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عنوان کی آڑ میں کیا ہے۔ اس خرابی نے اشعار ذیل کی شکل اختیار کر لی ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

تنگ وچست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جو بن مرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر
خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی
کہ چلا آتا ہے حسن لہلہ کی صورت بن کر
خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہنچا
راہ نزدیک سے ہو جانب نشیب سفر

(حدائق بخشش: حصہ سوم، ص ۳۷)

اپنی ماں کے بارے میں ایسے افکار رکھنے والا کیا مقتدیٰ بنانے کے قابل ہے؟

محترم بریلوی احباب! آپ حضرات نے جنھیں مقتدا بنانا چاہا ہے ذرا ان پر لیرجانب دارانہ نظر بھی ڈالیے، ان کے ذہن کا اندازہ کیجیے، ایسا شخص کس ذہن کا مالک ہوگا جو اپنی ماں کے بارے میں ایسے افکار رکھے اور ایسی شاعری کرے۔

آپ کے سامنے عصمت وحفاظت وحی، پھر سیرت انبیا اور پھر سیرت ازواج مطہرات پر ضرب ہائے کاری کا بیان آچکا ہے کہ اس ترجمۂ اعلیٰ حضرت وتفسیر صدر الافاضل سے ان پر کیا کیا معاذ اللہ زد پڑتی ہے۔

عظمت قرآن کی پامالی اور اپنے ذوق کے مطابق قرآن سے گالی کا ثبوت:

اب ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جس سے معاذ اللہ عظمت قرآن کریم مجروح ہوتی ہے۔ پارہ ۲۹ نکالیے، اس میں دوسری سورۃ ن ہے جس کا نام سورۃ القلم بھی ہے، اس کے پہلے رکوع میں ایک کافر کے بارے میں ایک آیت ہے:

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (آیت:۱۳)

''درشت خو، اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا''۔

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل فایدہ لکھتے ہیں:

''یعنی بدگوہر تو اس سے افعال خبیثہ کا صدور کیا عجب ہے۔ مروی ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو ولید ابن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں، نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی اس کا حال مجھے معلوم نہیں۔ یا تو مجھے سچ سچ بتادے ورنہ میں تیری گردن

ماردوں گا۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مرجائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلالیا تو اس سے ہے"۔

ترجمۂ نگار اور حاشیہ نگار دونوں نے ایسی بات کو ترجیح دی ہے جو برائی کی طرف جائے اور (مرزا قادیانی کی طرح) ہر گالیاں بکنے والا شخص کہے کہ میں نے گالی دی تو کیا ہوا قرآن میں بھی تو گالیاں ہیں۔ غلام احمد قادیانی بھی تو اپنی گالیوں کا جواز اس آیت سے ثابت کرتا تھا۔

یہاں بھی اعلیٰ حضرت کی پیروی میں صدر الافاضل نعیم الدین صاحب نے کم زور روایات کو اصل قرار دے کر تفسیر لکھ دی ہے، حالاں کہ زنیم کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں بتایا ہے:

قال رجل من قریش له زنمة مثل زنمة الشاة

(ج ۲،ص ۷۳۱)

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قریش میں ایک شخص کا کان ایسا تھا جیسا بکری کا کٹا ہوا کان ہو"۔

زمانہ جاہلیت میں اونٹ کے کان کا بھی کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا تھا، وہ لٹکا رہتا تھا، اسے زنمۃ الابل کہتے تھے۔ یہ کون شخص تھا؟ اس کے بارے میں کوئی معین بات ثابت نہیں ہے کہ وہ ولید تھا یا ابوجہل یا اسود ابن یغوث یا اخنس ابن شریق۔

(بخاری شریف: حاشیہ ۸، ص ۷۳۱)

اب آپ اندازہ تو کریں کہ آغاز سورت میں تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

جس کا ترجمۂ اعلیٰ حضرت نے ڈپٹی نذیر احمد کے انداز میں، یہ فرمایا:

''اور بے شک تمہاری خوئے بڑی شان کی ہے۔''

اور خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں ارشاد فرمار ہے ہیں:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ بلند ترین اخلاق مکمل کر کے دکھاؤں''۔

دیگر صحابہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ فحش باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں قرآن پاک میں فوراً زنیم گالی کے معنی پر استعمال کرنا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ تو صرف اعلیٰ حضرت کی وقت نظر یا ذوق سب وشتم کا نتیجہ ہے کہ ترجمۂ قرآن تک میں گالی کو داخل کر دیا۔

مترجم اور مفسر کی سب سے بڑی خامی:

اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر میں بہت بڑی خامی یہ ہے کہ دونوں حضرات غلط اور کمزور روایات پر بنیاد کھڑی کر دیتے ہیں۔

محدثین و مفسرین کے نزدیک جب کوئی روایت کمزور ہوتی ہے تو اسے یُروی روایت کی گئی ہے جیسے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس سے بھی زیادہ کمزور ہو تو اسے قیل یعنی ''کہا گیا'' ہے کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں اس ترجمہ تفسیر میں جابجا یہ خامی نظر آتی ہے کہ دونوں حضرات قیل کے لفظ سے بتلائی ہوئی بات کو بھی جہاں ان کی مرضی ہو بے دھڑک مستند بنا کر لکھ دیتے ہیں۔ اب پڑھنے والا اگر خود عالم نہ ہوگا تو ترجمۂ قرآن پاک اور تفسیر سے یہ سمجھے گا کہ یہ بات قرآن پاک میں آئی ہے اور قرآن پاس سے ثابت ہے، حالاں کہ وہ بے حقیقت ہوگی۔

جیسے انہوں نے سورۂ رحمٰن میں عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے ترجمے میں تصرف کیا ہے کہ البیان سے مراد ما کان و ما یکون کا بیان مراد ہے۔ یہ تفسیر اسلاف میں سے کس نے کی ہے اور کیا سند ہے؟ اس سے انہیں کوئی بحث نہیں۔ ترجمہ پڑھنے والا اگر غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ بیان کے یہ معنی فاضل بریلوی نے اپنے خاص نقطۂ نظر

سے کیے ہیں، ورنہ سمجھے گا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ماکان وما یکون کا عالم ہونا قرآن میں آیا ہے۔

قیلولے اور رات کے سونے کے وقت

ہونے والا ترجمہ کیسا ہونا چاہیے؟

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ ترجمہ فاضل بریلوی نے دوپہر کو سونے کے وقت اور رات کو سوتے وقت لکھوایا ہے، اس لیے اس میں ایسی ایسی غلطیاں ہیں کہ جو آپ کے تصور سے بھی باہر ہیں۔ مثلاً انہوں نے پہلے پارے کے آخری صفحہ پر آیت ۱۳۹ میں صِبْغَةَ اللّٰهِ کے ترجمے میں غلطی کی ہے۔ انہوں نے ترجمہ کیا ہے "اللہ کی ریتی۔" جب کہ ریتی سونے کی سلاخ کو کہتے ہیں۔ بریلی اور رام پور کے سنار یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ کے معنی ہیں "اللہ کا رنگ۔" پتا معلوم نہیں کیا ہوا تھا؟ سو گئے تھے؟ اونگھ رہے تھے یا کسی خیال میں تھے کہ یہ لکھا گیا؟ پھر لکھنے والے صاحب صدر الشریعہ امجد علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے ان سے رجوع نہیں کیا؟ یا تو یہ غلطی نیند کی وجہ سے ہوئی ہے یا پھر اس وجہ سے ہوئی ہے کہ نہ قرآن پاک فاضل بریلوی کو یاد تھا نہ صدر الشریعہ کو اور وہ صِبْغَةَ (ذ حالنے کی چیز یا ڈھلا ہوا) پڑھ گئے اور اسی کا ترجمہ کرا ڈالا۔ یہی ترجمہ ہر جگہ چل رہا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

اس لیے اس ترجمے کے مطالعے سے پرہیز لازم ہے، خصوصاً عام مسلمانوں کو۔ شاید اسی کم زوری کے باعث ۱۹۱۱ء سے لے کر اب تک احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ زاویہ خمول میں رہا۔ اسے خود بریلوی کتب فکر کے لوگوں میں بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، حتیٰ کہ اب کہیں سے بے تحاشہ روپیہ حاصل ہو گیا ہے تو اس کی اشاعت ہوئی، مفت تقسیم کیا جا رہا ہے اور اس پر تقابلی جائزے لکھے گئے اور ہمیں بھی اس پر تبصرہ لکھنا پڑا۔

باب (۳)

کنز کا مقدمہ نگار رضا اعظمی کی بدحواسیاں

فاضل بریلوی کے مترجم قرآن پاک پر مقدمہ نگار اعظمی صاحب نے "تراجم" کے تقابلی جائزے میں یہ آیت لکھی ہے:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ بقرۃ:۱۴۵)

"اور کبھی تو چاہا ان کی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا نہ مددگار۔" (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ)

قارئین کرام! دیکھیے کیا یہ اس آیت کا ترجمہ ہو سکتا ہے؟ دراصل رضاء المصطفیٰ صاحب احمد رضا خان صاحب کو بڑھانے کے لیے ان اکابر (شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمہم اللہ) پر تنقید کرنے کی جلدی میں تھے۔ انہوں نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۰ کا ترجمہ لکھ دیا اور آیت دوسرے پارے کی لکھ دی، صحیح آیت یہ ہے:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

اور اس کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر درج ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"یہی معصوم جن کی نسبت سے قرآن کے صفحات بھرے ہیں جن کو ط،

بنسس" ، مزمل، مدثر جیسے القاب وآداب دیے گئے، اچانک اس قدر زجر وتو بیخ کے کلمات سے اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کرے۔ سیاق وسباق سے بھی کسی تہدید کا پتا نہیں چلتا، لہٰذا مترجم کو چاہیے کہ کھوج لگائے نہ یہ کہ براہ راست کلمات کا ترجمہ کر دے۔ جو بات ان کی عصمت کے خلاف ہے وہ کیسے امکانی طور پر ان کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے"؟

پھر لکھتے ہیں:

"تراجم مذکور میں بعض مترجمین نے خاص حاشیہ آرائی کی ہے، مگر کسی مترجم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ غور کرے کہ ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ حضور کی شان میں کیوں کہے جا رہے ہیں"؟

جناب! ذرا اس غصے کا رخ اعلیٰ حضرت کی طرف بھی کیجیے، انہوں نے بھی اسی مضمون کی آیت کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔

إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (سورۂ بنی اسرائیل:۷۵)

"اور ایسا ہوتا تو تم کو دوگنی عمر اور دو چند موت (کے عذاب) کا مزہ دیتے، پھر تم ہمارے مقابل کوئی مددگار نہ پاتے"۔

(ترجمۂ اعلیٰ حضرت بریلویہ۔ بین القوسین صدر الافاضل بریلویہ نعیم الدین صاحب)

بریلوی دعوے میں قول وفعل کے تضاد کی وجہ سے علم سے پیچھے ہیں:

قارئین کرام! اعظمی صاحب کا واویلا محض دکھاوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بریلوی علما دعوے میں آگے اور علم وعمل میں بہت پیچھے ہیں۔ ان کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ دعوے کی طرح یہ دکھاوے کے بھی عادی ہیں اور سستی شہرت حاصل کرنے کا موقع نہیں جانے دیتے۔

اس بہانے سے کہ ہم نے قرآن پاک کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، تفسیری ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے دین اسلام میں تحریف کی کوشش کی ہے۔ خانہ ساز اختلافات کو قرآن پاک میں جگہ دی ہے اور اس کے مطالب کو بگاڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خوف آخرت نہیں ہے، ورنہ ترجمۂ قرآن پاک میں اپنی طرف سے زیادتی اور رد و بدل کی کیسے جرأت کر سکتے تھے اور کون مسلمان ایسی جرأت کر سکتا ہے؟

سخت بات بدل دی:

بات یہ چل رہی تھی کہ بریلوی علمانے جو دل کھول کر وضاحتی ترجمہ کیا ہے اور اعظمی صاحب نے مذکورہ آیت کی مثال دے کر بتلایا ہے کہ ایسے الفاظ سے پاک ہے۔ سوچ سمجھ کر سیاق و سباق دیکھ کر اور کتابوں کا مطالعہ کر کے لکھا گیا ہے۔ قرآن پاک کے اگر کسی لفظ کا سخت ترجمہ بنتا بھی ہے تو اسے تفسیری ترجمے میں لا کر نرم کر دیا گیا ہے اور اس کا بدل لایا گیا ہے، یا ایسے الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں جن سے کلام الٰہی کے مخاطب نبی نہ رہیں بلکہ اور مخاطبین کی طرف خطاب کا رخ بدل جائے۔

بدزبانی کے چند نمونے:

انہوں نے اسی طرح کے لکھے ہوئے دوسرے رسایل میں دوسرے لوگوں نے اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ .... اور لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ کے لفظی ترجمے پر اعتراض کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاج کے لیے ان کے مایۂ افتخر ترجمۂ اعلیٰ حضرت اور مایۂ ناز تفسیر صدر الافاضل کے کچھ نمونے ایسے بدزبانوں کے لیے سامنے رکھ دیے جائیں، تا کہ ان کے محض زبانی دعووں کی حقیقت سامنے آ جائے۔

(۱) سورۂ بقرہ کی آیت ۳۵ میں ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

''مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے''۔
(اعلیٰ حضرت نے ترجمے میں مگر کا لفظ بڑھا دیا ہے، حالاں کہ نظم قرآن میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، فتدا داوے)۔
اس کے حاشیے پر صفحہ ۹ میں صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:
''ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو بے محل وضع کرنا، یہ ممنوع ہے اور انبیا معصوم ہیں، ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا، یہاں ظلم خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے۔ مسئلہ: انبیا کو ظالم کہنا اہانت و کفر ہے۔ جو کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولی ہے، جو چاہے فرمائے، اس میں ان کی عزت ہے''۔
اس سے اگلی آیت ہے:
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ
''تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا''۔
اس کے حاشیے پر صفحہ ۱۰ میں صدر الافاضل لکھتے ہیں:
''حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ لا تقربا کی نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ تحریمی سمجھتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی۔''
حسب ذیل دو آیات کے تراجم پر ''ضیائے کنز الایمان'' اور ''محاسن کنز الایمان'' میں بحث کی گئی ہے اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب نے تو مقدمۂ قرآن پاک میں بہت شور مچایا ہے اور خوب بدزبانی کی ہے۔
الف: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ٥ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ٥ وَّیَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا

عَزِیْزًاo (سورۂ فتح:۳-۱)

ترجمہ شیخ الہندؒ: "ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطے صریح فیصلہ، تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ، جو آگے ہوچکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے اللہ تیری زبردست مدد"۔

ب: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ (سورۂ محمد:۹)

ترجمہ شیخ الہندؒ: "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے"۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبے کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود جواز و استحسان میں ہو، بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین کے یہی معنی ہیں۔

(موضح الفرقان)

اعظمی صاحب! صدر الافاضل کی بات مانیے یا لفظی تراجم کے عیوب سے توبہ کیجیے!

آپ کے سامنے صدر الافاضل کی عبارتیں بھی ہیں، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے، جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے"۔

صدر الافاضل کی یہ بات مانیے یا لفظی تراجم کی عیب جوئی سے توبہ کیجیے۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ (سورۂ بقرہ:۳۷)

"پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

اس کے حاشیے پر صدر الافاضل صفحہ ا میں لکھتے ہیں:

''طبرانی وحاکم وابونعیم وبیہقی نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا۔الخ''

پہلے نمبر۲ میں ہم نے صدر الافاضل کا حاشیہ نقل کیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کوخیال ہوا کہ لَا تَقْرَبَا کی نہی تنزیہی ہے اور یہاں ''عتاب'' کا صریح لفظ لکھا اور فاضل بریلوی نے بھی اپنے فتاوے میں مکروہ تنزیہی کی یہی تعریف لکھی ہے کہ جس کام کا کرنا مطلقاً موجب استحقاق عتاب ہو۔

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۱۲، بہ حوالہ فتاوی رضویہ: ج ۱ ص ۷۵-۱۷۳)

بریلوی حضرات کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی اپنی تفسیر میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں ''عتاب'' اور ''خطا'' کے لفظ استعمال کیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''اس خطا سے رب تعالیٰ کی بندہ نوازی بندہ پروری ان سے بند نہ ہوئی''۔ (تفسیر نعیمی: ج ۸ ص ۴۱۱)

اوراسی صفحے پر سطر ۱۱ میں ہے:

''یہاں پوچھ گچھ عتاب کی ہے''۔

پھر سطر ۱۴، ۱۵ میں ہے:

''اولاً تو کھالینے دیا، پھر یہ عتاب فرمایا۔معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب وخطاب میں صدہا راز ہیں''۔

پھر سب انبیائے کرام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرات انبیا کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں''۔

سطر ۱۵، صفحہ مذکورہ (بریلوی) حکیم الامت نے سارے ہی انبیائے کرام کو معاذ اللہ خطا کار بتلا دیا۔

تفسیر قولہ تعالیٰ: وَنَادٰاھُمَا رَبُّھُمَا. (سورۃ الاعراف:۲۲)

خان جی، نعیم اور احمد یار کے بارے میں کیا خیال ہے؟

بریلوی بھائیو! اب ذرا ہمت کر کے اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل اور حکیم الامت کے بارے میں بھی تو کچھ فرمایئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ نے تو ذنب کا لفظی ترجمہ کیا تھا، ان کا تو عذر بھی تو واضح ہے۔ ان بریلوی علما کو کیا ہوا جو تفسیر اور تفسیری ترجمے میں حد سے بڑھنا، خلاف اولیٰ کام کی نسبت، لغزش، نہی تنزیہی کا ارتکاب، اجتہاد میں خطا آمیز عتاب، انبیا کی خطا یہ سات الفاظ بریلوی مترجمین ومفسرین کے اور حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سامنے رکھیے تو آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ بقول نعیم الدین صاحب:

> "اللہ تعالیٰ مالک ومولیٰ ہے، جو چاہے فرمائے، اس میں ان کی عزت ہے"۔

یہ لفظی ترجمے کو برا کہنے والے صحیح کام نہیں کر رہے۔ اگر اردو میں ترجمہ بدل بھی دیں گے تو عربی میں تو وہی الفاظ رہیں گے۔ نیز کہاں کہاں بدلیں گے؟ آخر بہت سی جگہیں ایسی ہوں گی کہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ جیسے کہ یہ مثالیں گزریں اور مزید اگلے باب میں آرہی ہیں۔

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مجھے ملا، اس نے کہا میں اسلامیات میں پی ایچ ڈی کر کے آیا ہوں آکسفورڈ امریکہ سے، انہوں نے کہا کہ وہاں کیا سیکھا سمجھا؟ اس نے کہا کہ یہ جو آپ نماز پڑھتے ہیں اس کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اس نے ڈکشنری اٹھائی۔ اس میں سے لفظ صلوٰۃ دکھایا تو اس کا معنی تو لکھا ہے "تحریک الصلوین" اپنے جسم کو ہلا دینا تو صلوٰۃ کا یہ معنی ہے۔ میں نماز کا پورا پابند ہوں۔ صبح مسجد کے سامنے تھوڑی سی دوڑ لگا لیتا ہوں تاکہ مولوی صاحب دیکھ لیں کہ اس کا جسم ہل رہا ہے اور یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ کبھی مسجد کے دروازے پر دو چار بیٹھکیں بھی لگا لیتا ہوں تاکہ تحریک الصلوین ہو جائے، وجود ہل جائے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں اس کی باتیں سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ میں نے پوچھا کہ نماز تو نے اللہ کے لیے پڑھتی ہے یا مولوی صاحب کے لیے؟ کہتا ہے کہ اللہ کے لیے۔ تو پھر تو خواہ مخواہ مصیبت میں پڑا ہوا ہے کہ تو مسجد کے سامنے دوڑ لگاتا ہے اور کبھی بیٹھکیں لگاتا ہے۔ جب تو رات بیوی کے پاس گیا تھا تو دونوں طرف سے جسم ہل گیا تھا تو تیری تو باجماعت نماز ہو گئی تھی، اس لیے جو معنی تو کر رہا ہے اس کے مطابق تو باجماعت نماز تو نے رات بھی ادا کر لی تھی، اب مولوی صاحب کی تجھے کیا فکر ہے؟ وہ تجھے نمازی کہیں یا نہ کہیں۔ ہر آدمی سکھ ہو یا ہندو یہ نماز باجماعت ادا کر لیتا ہے رات کو، اس لیے ادھر ادھر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (خطبات صفدر: ج ۳، ص ۲۷۱)

باب(۴)

خان صاحب کی گستاخیاں اور قرآنی آیات

چند مثالیں اور ترجمۂ خان جی:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (سورۂ اعراف:۲۳)

''دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے! ہم نے اپنا آپ برا کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔''
(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی آیت:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝. (سورۂ ہود:۴۶-۴۷)

''فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں، بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں، تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی: اے رب میرے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔'' (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

ابوالانبیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیت مبارکہ:

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ.

"اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا"۔ (سورۂ شعراء:۸۲)

خَطِیْٓئَة واحد ہے، انہوں نے اسے جمع سمجھا اور ترجمہ بجائے خطا کے خطائیں کر دیا (جب کہ حضرت شیخ الہندؒ نے خطِیْٓئَة کے ترجمے میں "میری تقصیر" تحریر فرمایا ہے)۔ اس میں نادان نہ بن...... زیاں کار ہو جاتا اور یہ کہ انہیں علم غیب کلی نہ تھا یہ سب کچھ خان صاحب کے ترجمے میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورۂ قصص:۱۶)

"عرض کی اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس کی تفسیر میں صدرالافاضل لکھتے ہیں:

"یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہ طریق تواضع ہے، کیوں کہ آپ سے کوئی معصیت سرزد نہ ہوئی اور انبیا معصوم ہیں۔ ان سے گناہ نہیں ہوتے۔ قبطی کا مارنا آپ کا دفع ظلم اور امداد مظلوم تھی، یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں۔ پھر بھی اپنی طرف سے تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار چاہنا یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس میں تاخیر اولیٰ تھی، اس لیے حضرت موسیٰ نے ترک اولیٰ کو زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی"۔

کیا بعض انبیا کی اہانت جائز ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیا:

قَالَ فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ. (سورۂ شعراء:۲۰)

''موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔''

(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

بریلوی علماء دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت نے ضالین کا ترجمہ اولعزم رسول کے بارے میں راہ سے بے خبر کا کیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو سورۂ والضحیٰ میں ضالًا فھدیٰ کے ترجمے پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے؟ جب کہ وہاں یہ لفظ ہدایت کے ساتھ تقابل کی صورت میں آیا ہے اور یہاں فقط مِنَ الضّالین ہے، ہدایت کے مقابلے میں نہیں ہے۔ کیا خان صاحب کے نزدیک کچھ انبیا کی اہانت جائز ہے اور کچھ کی نہیں؟ یا یہ کہنا ہی صحیح ہوگا کہ ترجمۂ قرآن پاک میں کسی نبی کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ یہ کلام ربانی ہے اور انبیا اس کی مخلوق ہیں۔ بہ قول نعیم الدین صاحب: ''وہ جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے''۔

بشریت انبیا کے قائل:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۂ ابراہیم:۱۱)

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان''۔

(ترجمۂ فاضل بریلوی)

اب خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیات کے تراجم ملاحظہ ہوں۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰهُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (سورۂ نساء:۱۰۶-۱۰۵)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو، جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغاوالوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

یہاں فاضل بریلوی نے اپنی طرف سے ترجمے میں اے محبوب! کا جملہ بڑھا کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے معافی چاہنے کا حکم خاص کر دیا ہے، اللہ سے معافی چاہو'' اور دغاوالوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔'' اللہ سے معافی چاہو کے الفاظ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا کے ترجمے میں اسلاف نے لکھا اور انہوں نے استغفر اللہ کا ترجمہ بھی'' اس سے بخشش چاہو'' ہی کیا ہے۔

علم غیب کی نفی:

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ ٥ (سورۂ توبہ:۴۳)

''اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے ان کو کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

اس آیت میں اعلیٰ حضرت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ترجمے میں'' اللہ تمہیں معاف کرے'' کا جملہ استعمال کیا ہے اور ترجمے میں علم غیب کلی کی نفی کی ہے۔

حضور علیہ السلام کے ساتھ گستاخی:

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ٥ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ٥ اِذًا

لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ٥ (سورۂ بنی اسرائیل:۳ ۷ سے ۵ ۷ تک)

''اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت دے دو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے، پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے''۔

(ترجمۂ اعلیٰ حضرت بریلوی)

صدر الافاضل نے حاشیے پر دو چند موت کے عذاب کا مزہ دیتے لکھا ہے۔ دیکھیے! معاذ اللہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیت کا ترجمہ اور ترجمے کا تتمہ۔ اس سارے ترجمے کے الفاظ دیکھیے! یہ تو اسلاف کے ضـــالًّا فَھَدٰی کے ترجمے سے بہت بڑھ کر ہے، جس پر آپ لوگوں نے شور مچا رکھا تھا۔

بہتر ہو کہ آپ لوگ صدر الافاضل کی تفسیر اعلیٰ حضرت کے ترجمے پر سے ہٹا دیں اور اپنی جماعت سے انہیں خارج کر دیں۔

اسلاف پر طعن اور خود کی راہ:

سورۂ اذا جـــاء عام طور پر نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ سورت وہ ہے کہ جسے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر کہا گیا ہے۔ اس میں ارشاد ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا (آیت:۳)

''تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

یہاں اعلیٰ حضرت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''بخشش چاہو'' کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر سورۂ انا فتحنا میں استغفر لذنبک کے ترجمۂ

اسلاف پر آپ کیسے اعتراض کر سکتے ہیں؟ اس کے حاشیے میں صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

"اس سورت کے نازل ہونے کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ کی بہت کثرت فرمائی"۔

نوٹ: حاشیے میں بھی غلطی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے کہ وہ روئے تھے۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ (سورۂ شوریٰ:۵۲)

"اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔" (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (سورہ انعام:۵۰)

"اور یہ نہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔" (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ. (سورۂ اعراف:۱۸۸)

"تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔" (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بیان کردہ الفاظ کی فہرست:

آپ نے دیکھا کہ بریلوی مترجم اعلیٰ حضرت اور مفسر صدر الافاضل نے انبیائے کرام کے بارے میں کتنے الفاظ استعمال کیے؟ ذرا ان کی فہرست پر دوبارہ نظر ڈال لیجیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے میں اور ان سے متعلقہ آیات میں:

۱ شیطان نے انہیں لغزش دی............................ اعلیٰ حضرت

۲ ظلم سے مراد خلاف اولیٰ کام کا ارتکاب ہے............... صدر الافاضل

۳ حضرت آدم نے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا................. صدر الافاضل

۴ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی............ صدر الافاضل

۵ حضرت آدم پر عتاب ہوا................................ صدر الافاضل

۶ ہم نے اپنا آپ برا کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے.................................... اعلیٰ حضرت

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں:

۷ تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں.............. اعلیٰ حضرت

۸ نادان نہ بن.. اعلیٰ حضرت

۹ اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں.. اعلیٰ حضرت

۱۰ ... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خـــطـیـــئـــة کے ترجمے میں ''خطائیں'' کر ڈالا، کیوں کہ آپ ابوالانبیا تھے، اس لیے اکھٹا جمع کا ترجمہ ہی مناسب لگا ہوگا اور ترجمہ تو یہ ہے بھی نہیں تفسیر ہے۔ پھر بھی ایسی غلطی؟

۱۱ دیگر انبیا کے بارے میں بشر کا ترجمہ انسان..................... اعلیٰ حضرت

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں:

۱۲ میں نے اپنی جان پر زیادتی کی..................................... اعلیٰ حضرت

۱۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ترک اولیٰ ہوا....................... صدر الافاضل

۱۴ جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی.................................... اعلیٰ حضرت

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اسی قسم کے جملے ملاحظہ

ہوں کہ جیسے جملوں کی وجہ سے دوسروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۵ قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی...............	اعلیٰ حضرت
۱۶ کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت دے دو...............	اعلیٰ حضرت
۱۷ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے...............	اعلیٰ حضرت
۱۸ پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے...............	اعلیٰ حضرت
۱۹ ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کے عذاب کا مزہ دیتے....	ترجمۂ اعلیٰ حضرت بہ تفسیر صدر الافاضل
۲۰ اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو...............	اعلیٰ حضرت
۲۱ اور اللہ سے معافی چاہو...............	اعلیٰ حضرت
۲۲ اللہ تمہیں معاف کرے...............	اعلیٰ حضرت
۲۳ اور اس سے بخشش چاہو...............	اعلیٰ حضرت
۲۴ نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل...............	اعلیٰ حضرت
۲۵ نفی علم غیب کلی	اعلیٰ حضرت
۲۶ مختار کل کی نفی اور علم غیب کلی کی نفی...............	اعلیٰ حضرت

گزشتہ آیات مع مکمل حوالہ جات و ترجمہ اور تفسیر آپ کے سامنے ہیں۔ یہ چند آیات بہ طور نمونہ ہیں۔ اگر قرآن پاک کے ترجمے سے انبیائے کرام کی توہین ہوتی ہے اور ان کی عظمت و رفعت شان پر حرف آتا ہے تو سب سے زیادہ توہین علمائے بریلویہ نے کی ہے، کیوں کہ اعلیٰ حضرت نے قرآن پاک کا مفہوم (اسی بات سے بچنے کے لیے) سلیس اردو زبان میں منتقل کیا ہے اور لفظی ترجمہ اسی لیے نہیں کیا کہ لفظی ترجمہ بھونڈا لگتا ہے یا اس میں انبیائے کرام کی طرف سخت لفظ کی نسبت ہو جاتی ہے۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کسی اور نے کیا ترجمہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ایسا ترجمہ کیوں کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ کلام اللہ ہے، اسے اردو میں قریب ترلفظوں میں رہنے دینا ہی کلام الٰہی کی عظمت کا تقاضا ہے، تاکہ اس میں اپنی طبیعت سے ذرا بھی تصرف نہ ہو اور یہ قول صدر الافاضل ''اللہ تعالیٰ مالک ومولیٰ ہے جو چاہے فرمائے۔''

بلکہ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ اس میں انبیائے کرام کی ''عزت'' ہے۔ اب آپ ہی غور کریں کہ کیا آپ کے مقالوں میں لگائے گئے الزامات کی کوئی حقیقت ہے؟ یا اکابر واسلاف اور دیگر علماپر خواہ مخواہ کیچڑ اچھالنا تکفیر امت محمد یہ کی طرح کوئی نیا مشغلہ نکالا ہے؟

بنیادی تراجم:

ارے بھائی! ترجمۂ قرآن پاک کے لیے نہایت متقی اور بہت بڑا پختہ کار عالم ہونا ضروری ہے۔ یہ سب اوصاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ میں بہ درجۂ کمال موجود تھے، اس لیے سب اکابر ان کے ترجمے کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ ان حضرات نے روزے رکھ رکھ کر بلکہ اعتکاف بھی کر کے نہایت درجے رجوع الی اللہ کے ساتھ تراجم لکھے ہیں اور ہر ایک کی اپنی جگہ مسلمہ کامل شخصیت تھی۔

خان جی کا میدان فکر:

ادھر دیکھیے تو اعلیٰ حضرت بریلویہ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، ان کا منتہائے علم ان کے والد ہی ہیں اور آگے ان کی سند علم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک سب غایب ہے۔ اسی لیے انہوں نے تبرکاً حجاز مقدس کے علما سے سندیں حاصل کیں۔ وہ طبعاً ذہین تھے، طبیعت میں حدت اور جدت تھی اور ان کا میدان فکر

فقہ، ریاضی اور شعر تھا۔ ایسا آدمی جو شجرۂ علمی میں باقاعدہ مسلک نہ ہوا ہو وہ بزرگوں میں سے کسی کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کا علم اپنی ذہانت ومطالعے کا رہین منت ہوتا ہے۔ ایسا علم وسیع تو ہو سکتا ہے مگر اس میں پختگی نہیں ہوتی اور یک سانیت اور اصولی گہرائی نہیں ہوتی۔ آپ کو ان کے تمام افکار وتحریرات میں یہی رد وقدح، جدت وحدت، آزادی اور اسلاف کرام کی عظمت کا فقدان نظر آئے گا۔ جو بات ایک جگہ کہتے ہیں دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتے ہیں۔

سب پر بداعتمادی اور آخری وصیت:

اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں، حتیٰ کہ فقہ حنفی پر بھی نہیں۔ اسی لیے انہوں نے آخری وصیت یہ کی تھی۔

''اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے۔ والسلام ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ مبارکہ ۲ بج کر ۲۱ منٹ پر یہ وقتی وصایا قلم بند ہوئے۔
فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ بقلم خود بہ حالت صحت وحواس۔

یہ وصیت ایک چھوٹے سے رسالے میں بھی ہے۔ جو وصایا شریف کے نام سے ملتا ہے۔ اور تجانب اہل سنت میں صفحہ ۴۵ پر ہے۔

دیکھ لیجیے! فقہ حنفی کی پیروی سے وصیت خالی ہے۔ انہوں نے صاف بتلا دیا ہے کہ ان کا دین و مذہب لکھا اور ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

فکر رضا کی پرچار سے خامیاں منظر عام پر:

بہر حال اگر آپ انہیں امام مانتے ہیں تو مانیے اور ان کی تعریف کرتے ہیں تو کیجیے، آپ کی مرضی، لیکن دوسروں پر کیچڑ اچھال کر اعلی حضرت کی خامیاں کیوں منظر عام پر لاتے ہیں؟ اب آپ نے دیکھا ان چند آیات میں کتنی جگہ آپ کے دعوی کے منافی الفاظ آ گئے۔ کیا آپ اسی ترجمہ اور تفسیر کی تعریف کرتے ہیں؟

پھر ترجمۂ قرآن پاک جیسا عظیم کام دوپہر کو قیلولے کے وقت یا رات کو سونے کے وقت لیٹے لیٹے ہی کرنے کا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی عظمت بھی ملحوظ نہیں رکھی جو اس کا حق تھا اور مطالعہ بھی نہیں کیا۔

(ماخوذ از محاسن کنز الایمان: ص۱۹،۱۸)

واضح رہے کہ سوانح نگاروں نے ترجمے کا یہی قصہ لکھا ہے، تو کہاں یہ ترجمہ اور کہاں تراجم اسلاف کرام رحمهم الله رحمة واسعة.

ہم نے اعلیٰ حضرت کے ترجمے و تفسیر پر اجمالی نظر ڈالی ہے تو یہ خامیاں سامنے آئیں۔ اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیری ترجمہ اور اس کی تفسیر دونوں ہی اغلاط سے پر ہیں۔

کسی نے سوال کیا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے کہ صاحب زادہ فیض الحسن صاحب نے (مجلس احرار اسلام کو) کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا: وہ نوری ہوئے میں خاکی۔ ان نوریوں سے امید وفا کب ہے۔ سب سے بڑے نوری حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے شب معراج میں میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ (بخاری کی باتیں۔ ص ۳۶)

باب(۵)

مزید تقابلی جایزہ

ہمارا خیال تھا کہ یہیں تک لکھنا کافی ہوگا، لیکن اکابر اسلاف پر اور بھی کئی ترجموں میں تقابلی جائزے دیکھنے میں آئے، تو خیال ہوا کہ ان جائزوں کی کچھ اور آیات پر بھی لکھ دیا جائے۔

عرفا کے مقامات:

اس موضوع پر بریلوی حضرات کے ایک دوسرے رسالے "ضیائے کنز الایمان" میں "تقابلی جائزہ" کے زیر عنوان تحریر ہے کہ

> "صوفیا اور عرفا کے دو مقام ہوتے ہیں، ایک وہ ہیں جن کی نظر ہر چیز کے بعد اس کے خالق تک پہنچتی ہے، دوسرے وہ ہیں جن کی نظر پہلے خالق پر پھر کسی اور شے (چیز) پر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ پہلے اپنا اور پھر رب کا ذکر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، پہلے اللہ تعالیٰ کا اور پھر اپنا ذکر کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتوب اس طرح لکھا اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو یوں خط لکھوایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقام محمدی اور اسوۂ مصطفیٰ یہ ہے کہ پہلے اللہ کا نام لیا جائے پھر اور کسی شے کا ذکر کیا جائے"۔

اس تمہید کے بعد اعلیٰ حضرت کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے"
حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مضمون نگاروں نے دوسرے درجے کے عرفا میں داخل کیا ہے۔ جس کی وجہ بقول ان کے یہ ہے کہ آپ نے اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اِنَّ اللہَ ...... پہلے اللہ کا اور پھر اپنا ذکر فرمایا۔
لیکن یہ بات درست نہیں کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جملہ یوں ہے لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا جس کا ترجمہ فاضل بریلوی نے یوں کیا ہے
"غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"
اس ارشاد میں لَا تَحْزَنْ پہلے موجود ہے، تو آپ کی ساری تحریر بے معنی ہے۔ ہمارے نزدیک انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ایسے خیالات کی تبلیغ خطرناک گناہ ہے۔
قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اپنی قوم سے دوسری جگہ نقل فرمائی گئی ہے۔ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْا تو اسی پر بھروسہ کرو۔ پھر ان کی قوم نے بھی جواب میں اسی طرح کہا ہے عَلَى اللہِ تَوَكَّلْنَا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا (سورۂ یونس: ۸۵)
ایک اور جگہ ارشاد ہے:
وَعَلَى اللہِ فَتَوَكَّلُوْا (سورۂ مائدہ: ۲۳)
"اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔"
حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے:
فَعَلَى اللہِ تَوَكَّلْتُ (سورۂ یونس: ۷۱)
"اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کیا۔"
مگر اس مقام پر اعلیٰ حضرت بریلوی سے چوک ہوگئی یا آنکھ لگ گئی ہوگی۔ انہوں نے ترجمہ کیا "تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔" یعنی یہاں انہوں نے

ترجمہ میں اللہ کے نام پاک سے پہلے "میں نے" مقدم کر کے لکھ دیا ہے۔ یہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کیا۔

دیگر انبیا کے اقوال مبارکہ سورۂ ابراہیم کے دوسرے رکوع تیرھویں پارے میں نقل فرمائے گئے ہیں کہ ان اقوام کے پیغمبروں نے کہا:

وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.

"اور اللہ پر مسلمانوں کو بھروسہ چاہیے۔"

وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

"اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

(سورۂ ابراہیم: ۱۱-۱۲)

فاضل بریلوی نے ان دونوں آیات کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے"۔

"اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے"۔

بہت گھاٹے کا سودا:

یہاں دونوں جگہ اللہ کے نام پاک سے پہلے اور کلمات لائے ہیں۔ گویا تنقید کرنے والے بریلوی علما کو بتلا گئے ہیں کہ میں خود بھی ایسا ترجمہ کر ڈالتا ہوں، میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے نہ ملانا۔

لہٰذا اولاً تو دیگر انبیائے کرام کے بارے میں مضمون نگار کا بے دھڑک ایسے کلمات استعمال کر ڈالنا اور ایسے انبیا کا ایسے انداز سے مقابل کرنا اور لوگوں کو دعوت فکر دینا خود بڑی گستاخانہ جرأت ہے، پھر یہ جرأت اگر محض اس لیے ہو کہ فاضل بریلوی کے ترجمے کی افضلیت ثابت کر دی جائے تو یہ بہت گھاٹے کا سودا ہے۔

بسم اللہ کا ترجمہ:

فاضل بریلوی نے اَشْرَعُ ''میں شروع کرتا ہوں'' فعل محذوف مانا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان حضرات نے تقدیر عبارت اَشْرَعُ بِسْمِ اللّٰہِ شروع اللہ کے نام سے اور اعلیٰ حضرت نے تقدیر عبارت بِسْمِ اللّٰہِ اَشْرَعُ (اللہ کے نام سے شروع) قرار دی ہے۔ اور اسی لحاظ سے (بہ قول آپ کے) ترجمہ کیا ہے۔ تقدیر عبارت بِسْمِ اللّٰہِ اَشْرَعُ ماننے میں عربی قواعد کے لحاظ سے انہوں نے تقدیم ما حقه التاخیر کی ہے۔ اگر آپ کا یہی کہنا ہے تو اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بالکل غلط قرار پاتا ہے۔ اس لیے کہ تقدیم ماحقه التاخیر حصر کا فائدہ دیتا ہے، جس کے لیے اردو میں عام طور پر لفظ ''ہی'' آتا ہے۔ انہیں ترجمے میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا اور یوں لکھنا چاہیے تھا:

''اللہ ہی کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا''

اردو میں ایسی صورت میں ''ہی'' لایا جاتا ہے اور خود اعلیٰ حضرت نے فَعَلَیْهِ تَوَکَّلُوْا اور وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْا میں یہی کیا ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

بریلوی ترجمہ مخالف اصل ہے:

یہ ترجمہ ''نقل مطابق اصل نہیں ہے'' بلکہ ''مخالف اصل'' ہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ نے جو الفاظ تعلیم فرمائے ہیں ان میں باء، س، میم پہلے آئے ہیں۔ پھر اسم پاک آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منشائے خداوندی یہی ہے کہ پہلے کچھ آئے اور پھر نام پاک آئے۔ ترجمہ میں اس کی رعایت دیگر اکابر نے رکھی ہے اور فاضل بریلوی اس گہرائی تک نہیں پہنچے۔ کیوں کہ اگر نام پاک کو مقدم کرنا مقصود ہوتا تو عبارت ہی کسی اور طرح کی لائی جاتی اور بتلائی جاتی، کیوں کہ ایک ہی بات کئی طرح کہی جاتی ہے۔

مثلاً کسی جگہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ آیا ہے، جیسے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ (سورۂ محمد:

۱۹) میں۔ اور آیت الکرسی میں اللّٰہُ لَآ اِلٰــہَ اِلَّا ھُوَ ارشاد ہوا ہے۔ یعنی جہاں اس پروردگار نے جو چیز مقدم یا موخر کرنی پسند کی وہ بتلا دی۔ بسم اللہ میں اپنا نام پاک بعد میں لانا پسند ہے تو ب، س، م پہلے لے آئے۔ لہٰذا اتباع منشائے خداوندی کی فضیلت اس ترجمے میں زیادہ نظر آ رہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن محدث دیوبندی) رحمۃ اللہ علیہ تک اکابر نے کیا ہے۔

کیا وضو کرتے وقت خان جی کا ترجمہ پڑھیں گے یا بسم اللہ؟

جب آپ وضو کریں گے تو اس وقت اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھیں گے یا بسم اللہ کہیں گے؟ اگر بسم اللہ کہتے ہیں تو پھر وہی بات ہوگئی کہ ب، س، م کے بعد ہی "اللہ" کا نام لیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس لحاظ سے قابل عمل نہ ہوا اور یقیناً آپ اس پر عمل نہیں کرتے۔

خان جی کی اللہ کے ساتھ گستاخیاں:

اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں ایک بہت موٹی غلطی ہے اور وہ یہ ہے، بسم اللہ شریف میں الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ سب اکابر نے "بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے" کیا ہے۔ یہ دونوں اسمائے حسنیٰ عربی قواعد کے لحاظ سے مبالغے کے صیغے قرار دیے گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے رحمت خداوندی کو الرحیم کے صیغے میں معاذ اللہ کم کر کے دکھایا ہے۔ انہوں نے تمام قرآن میں اس صیغے کو ایک جگہ بھی اس کا حق نہیں دیا۔ "نہایت رحم والا" کے بجائے انہوں نے ہر جگہ فقط "رحم والا" ترجمہ کیا ہے۔

کیا انہیں زیادہ رحمت نہیں چاہیے تھی؟

یا اس میں ان کا خرچ ہوتا تھا؟

یا وہ اپنا ترجمہ پڑھنے والوں کو زیادہ رحمت نہیں دلانی چاہتے تھے؟

یا انہیں اس لیے رحمت سے ناامیدی ہوگئی کہ ان کا تحریف کردہ ترجمہ لوگ

پڑھیں گے تو رحمت خود ہی کم ہوگی؟

قال البیضاوی: الرحمن الرحیم اسمان بنیا للمبالغة من رحم کالغضبان من غضب والعلیم من علم.

(شرح فی شرح البیضاوی لشہاب الدین الخفاجی: ج ۱ ص ۶ و فی شیخ زادہ: ج ۱ ص ۲۷)

اور سب مفسرین نے لکھا ہے کہ **الرحمن الرحیم** مبالغے کے صیغے ہیں اور یہ بحث بھی کی ہے کہ ان دونوں میں سے کون سے اسم پاک میں زیادہ مبالغہ ہے۔ رحمٰن وہ ذات جس کی رحمت کے آثار قوی ہوں، جیسے آخرت میں مؤمنین ہی پر اس کی رحمت ہوگی۔ ایک اسم میں کمیت کی زیادتی اور دوسرے اسم پاک میں کیفیت کی زیادتی ہے۔ **رحمن الدنیا ورحیم الأخرة.**

ایک اور صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ الرحیم کو صفت کا صیغہ قرار دیتے، ہمیشہ رحم والا یا دائمی رحمت والا۔ لیکن انہوں نے ایسا دانستہ نہیں کیا یا توجہ نہیں گئی۔ بہرحال انہوں نے اچھا نہیں کیا کہ بزرگان دین کے ترجمے کو چھوڑ کر نیا ترجمہ اختیار کیا۔ بہتر ہو کہ آئندہ تراجم میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ (مگر اعلان کر کے اصلاح ہونی چاہیے، چپکے سے نہیں)۔ اس ترجمۂ فاضل بریلوی کے بارے میں یہ سمجھ لیجیے کہ اس کی بسم اللہ ہی غلط ہوگئی اور

خشت اول چوں نہد معمار کج   تاثریا می رود دیوار کج

لہٰذا صحیح ترین ترجمہ وہی ہے جو اکابر نے کیا تھا۔

''شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے گرامی نامے کی تفسیر میں جو ملکہ سبا کے نام تھا، یہ روایت پیش نظر رکھیں:

روی الشعبی والاعمش ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

یکتب "باسمک اللھم :حتی امران یکتب بسم اللہ فکتبھا فلما نزلت "قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ" کتب " بسم اللہ الرحمن " فلما نزلت "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کتبھا.

وفی مصنف ابی داؤد قال الشعبی وابو مالک وقتادۃ وثابت بن عمارۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم حتی نزلت سورۃ النمل (تفسیر قرطبی: ج ا ص ۹۲)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں تقابلی ترجمہ:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورہ فاتحہ:۵)

اس آیت کے ترجمے میں مضمون نگار اعظمی صاحب نے یوں تقابل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: دکھا ہم کوراہ سیدھی	(حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ)
بتلا دیجیے ہم کوراستہ سیدھا	(مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ)
بنما مارا رہ راست	(حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ)
ہم کو سیدھا راستہ چلا	(اعلیٰ حضرت)

"کوئی غیرمسلم اگر یہ دعا کرے تو مناسب ہے کہ وہ سیدھا راستہ دیکھنے کا متمنی ہے، مگر ایک مسلمان جو قبول اسلام کے ساتھ ہی سیدھا راستہ دیکھ چکا ہے وہ ہر دعا میں خصوصاً ہر نماز میں سیدھا راستہ دیکھنے کے لیے اپنے خدا سے دعا کرتا ہے کس قدر لا یعنی اور لغو التجا ہے؟

اعلیٰ حضرت نے تفاسیر قرآن کی روشنی میں ہر رخ کا بغور جائزہ لیا۔

ہدایت کے دو معنی ہیں

اول: اراءۃ الطریق

دوم: ایصال الی المطلوب.

عام مترجمین نے اول الذکر معنی لیے ہیں، جو یہاں مسلمان کے لیے مقصود نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ایصال الی المطلوب کے معنی سے فرمایا اور یہی آیت کا مدعا ہے"۔

اعظمی صاحب نے مقابل میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ تک کو لیا ہے، تاکہ احمد رضا خان صاحب کی شخصیت کو بہت اونچا کیا جا سکے اور ارادۃ الطریق اور ایصال الی المطلوب کا فرق انہوں نے زور بیان میں لکھ دیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے ذہن میں ارادۃ الطریق (یعنی راستہ دکھانا) اور ایصال الی المطلوب (یعنی مقصد تک پہنچانے) کا فرق تھا ہی نہیں۔ وہ ہدایت کا ترجمہ کبھی راستہ دکھانا لکھ دیتے تھے اور کبھی راستہ چلانا۔ کیوں کہ ان آیات کے ترجمے میں جو انبیا کے بارے میں آئی ہیں اور ان میں ہدایت کا لفظ استعمال ہوا ہے اعلیٰ حضرت نے سیدھی راہ دکھانے کا ترجمہ کیا ہے۔

دیکھیے ساتویں پارے میں ایک ہی رکوع میں متعدد انبیا علیہم السلام کا ذکر ہے۔

كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ. (سورۂ انعام:۸۵)

"ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

آگے اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی ذکر فرما کر ارشاد ہوا:

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورۂ انعام:۸۸)

"اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

آپ غور فرمائیں: وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کتنے ملتے جلتے کلمات ہیں۔ مداحان کنز الایمان ہی بتائیں کہ کیا انبیائے کرام کو حق تعالیٰ نے فقط سیدھی راہ دکھائی تھی یا ان کو راہ ہدایت پر چلایا بھی تھا؟ یہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت نے جا بجا انبیائے کرام کے بارے میں راہ دکھانے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ربانی کا یہ ترجمہ کیا:

اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سورۂ نحل: ۱۲۱)

''اللہ نے اسے چن لیا اور اسے سیدھی راہ دکھائی''۔

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۔ (سورۂ طٰہٰ: ۱۲۲)

''پھر اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو قرب خاص حاصل تھا نہ یہ کہ انہیں فقط راہ دکھائی، مگر خان صاحب فرماتے ہیں کہ بس راہ دکھائی تھی اور یہ قرب خاص کون سے لفظ کا ترجمہ ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں:

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (سورۂ شعراء: ۷۸)

میں خان صاحب نے ترجمہ کیا ہے:

''وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا''

اس ترجمے میں انہوں نے احتیاط کیوں ملحوظ نہیں رکھی؟ یعنی گویا معاذ اللہ اب تک راہ دکھائی بھی نہیں اور دی بھی نہیں، اب دے گا۔

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورۂ صافات:۱۱۸)

''اور ان کو سیدھی راہ دکھائی''۔(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

دیگر انبیائے کرام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:

وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا (سورۂ ابراہیم:۱۲)

''اس نے ہماری راہیں ہمیں دکھادیں''۔(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

اور جو خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اس کا ترجمہ بھی دیکھ لیجیے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۂ انعام:۱۶۱)

''تم فرماؤ! بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی''۔(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

خان جی سب سے بڑے گستاخ رسول:

اب یا تو مقالہ نگار رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب یہ بات تسلیم کریں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ترجمہ لکھتے وقت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کے ذہن میں راستہ دکھانے (اراءۃ الطریق) اور راستہ چلانے (ایصال الی المطلوب) کا فرق نہیں تھا۔ ان کے نزدیک دونوں کے ایک ہی معنی تھے، ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کرتے کہ اپنے لیے تو راستہ چلانا مراد لیں اور انبیائے کرام کے لیے راستہ دکھانا۔

اگر اعلیٰ حضرت کے پیش نظر یہ فرق تھا پھر بھی انہوں نے انبیائے کرام کے متعلق آیات میں جان بوجھ کر ایسا ترجمہ کیا ہے؟؟؟ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مقام رسالت سے ناواقف تھے اور بہت بڑے گستاخ انبیا و رسل بلکہ گستاخ فخر رسولاں علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ کیوں کہ بریلوی عالموں کے یہاں فیصلے اسی زبان میں ہوتے ہیں۔

یہ تو آپ لوگوں کی باتوں کا ایک دوسرے طریقے پر جواب ہوا اور ایک جواب یہ

ہے کہ اس آیت مبارکہ کے ترجمے میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہی نے ''چلا ہم کو راہ'' کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کو اعلیٰ حضرت کی فضیلت میں ذکر کرنا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر ہی نہ کرنا مقالہ نگار کی علمی خیانت ہے۔

کیا فاضل بریلوی خود قرآن تصنیف فرما رہے ہیں؟

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (سورۂ بقرہ:۲)

ترجمۂ حضرت شیخ الہندؒ: ''اس کتاب میں کچھ شبہ نہیں۔''

ترجمۂ مولانا اشرف علی تھانویؒ: ''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں''۔

ذالک: یعنی وہ۔ اشارۂ بعید (دور) کے لیے ہے، لیکن لازمی نہیں کہ اس کا ترجمہ ''وہ'' ہی کیا جائے۔ چناں چہ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس میں ہدایت ہے۔ فاضل بریلوی نے جگہ جگہ ترجمے میں ''یہ'' اختیار کیا ہے بلکہ سورۂ بقرہ میں چند ہی رکوع بعد ترجمے میں ''یہ'' لکھا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (سورۂ بقرہ:۶۱)

''یہ بدلا تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیا کو ناحق شہید کرتے، یہ بدلا تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا''۔

دونوں جگہ ترجمۂ فاضل بریلوی اور آیت میں دو جگہ ''ذٰلک'' کا لفظ آپ کے سامنے ہے۔ فاضل بریلوی کو ماننے والے یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتے کہ دوسرے اکابر نے بجائے ''وہ'' کے ''یہ'' کا ترجمہ کیوں کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ ذالک قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور وہاں تاکیدی معنی مقصود ہوتے ہیں، مخاطب کی پوری توجہ اس طرف لگانے کے لیے بھی ھٰذا کے بجائے

ذالک کہہ دیا جاتا ہے، تو مفہوم ہوگا یہ عظیم الشان کتاب جو تمہارے سامنے ہے۔

اب فاضل بریلوی کی یا صدر الا فاضل نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی غلطی بھی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں "فیہ" کا ترجمہ دو جگہ کردیا ہے۔ ایک دفعہ تو ذالک الکتاب لا ریب فیہ میں کہ

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔"

یہاں یہ قول صاحب محاسن کنز الایمان فاضل بریلوی نے بہت ہی علمی دقت نظر سے کام لیا ہے اور فیہ کا ترجمہ "جگہ" کر کے ان کے بہت سے اشکالات رفع کردیے ہیں۔ ان کی نظر میں فاضل بریلوی کا یہ بڑا علمی کارنامہ ہے جو مختصر الفاظ میں نہ علامہ بیضاویؒ انجام دے سکے اور نہ علامہ تفتازانیؒ۔ مگر ہم کہتے کہ وہ ایک غلطی بھی کر گئے ہیں، وہ یہ کہ دوسری دفعہ فیہ کا ترجمہ انہوں نے آیت کے اگلے حصہ میں بھی کردیا ہے اور لکھا ہے:

فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

"اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔"

حالاں کہ قرآن پاک میں "فیہ" ایک دفعہ ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے دو دفعہ استعمال کیا ہے۔ ایک دفعہ "جگہ" کے معنی کے لیے اور دوسری دفعہ اس کا ترجمہ "اس میں" کیا۔

آیت مبارکہ کے دونوں حصے مع ترجمہ آپ کے سامنے ہیں۔ فاضل بریلوی کے ترجمے کے لحاظ سے قرآن پاک کی عبارت یہ بنتی ہے:

"ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ".

تعجب ہے؟ کیا فاضل بریلوی اس قرآن کا ترجمہ لکھ رہے ہیں جو خدا نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا یا خود قرآن تصنیف فرمارہے ہیں؟ اب سوچیے! ترجمہ وہ صحیح ہوگا جو تحت اللفظ ہو یا وہ صحیح ہوگا جس میں اپنی طرف سے

وضاحت ملادی جائے؟ جیسے اعلیٰ حضرت نے پورے قرآن میں جگہ جگہ ایسا ہی کیا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (سورۂ بقرہ:۲۱)

''اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ'' (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

''..... یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے''۔ (ترجمۂ فاضل بریلوی)

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے پر اعتراض کرتے ہوئے ایک فاضل مقالہ نگار ''محاسن کنز الایمان'' میں لکھتے ہیں:

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ لَعَلَّ بمعنی لِکَیْ ہے، یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ لیکن علامہ بیضاویؒ نے اس کے متعلق فرمایا:

"لم يثبت في اللغة مثله"

''یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں''۔

جس کا جواب یہ ہے کہ ذرا اور محنت کرتے اور بیضاوی کی شرح دیکھ لیتے تو جواب مل جاتا۔ شارح بیضاوی شیخ شہاب الدین الخفاجیؒ فرماتے ہیں کہ مفسر بیضاوی رحمہ اللہ کی یہ بات مانی مشکل ہے، کیوں کہ مفسرین کرام نے بہت سی آیتوں میں لَعَلَّ ''تاکہ'' کے معنی میں استعمال کیا ہے اور علمائے نحو نے خود اس کی صراحت کی ہے کہ یہ اس معنی میں آتا ہے۔ فصحائے عرب نے بھی اپنے کلام میں اس معنی میں استعمال کیا ہے۔

علمائے کرام کے لیے اصل عبارت پیش ہے۔

قال البيضاوى: وقيل تعليل للخلق اى خلقكم لكى تتقوا كما قال سبحانه وتعالى وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون. وهو ضعيف اذ لم يثبت ففي اللغة مثله قال الشيخ شهاب الدين الخفاجي

استشكل بانه مناف لتفسيرهم به في آيات كثيرة وليصريح النحاة واستشهادهم عليه بكلام فصحاء العرب كقوله:

فقلتم لنا كفوا الحروب لعلنا نكف ووثقتم لنا كل موثق

فان قوله وثقتم الخ، يقتضي عدم التردد في الوقوع كما في الترجي وبهذا يتعين انها بمعنى كيْ.

تفسیر خازن اور تفسیر بغوی میں ہے:

لعلكم تتقون لكي تنجوا من العذاب

''تا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ''۔ (تفسیر خازن: ص ۳۸)

''تا کہ تم عذاب سے نجات حاصل کرلو''۔ (تفسیر بغوی: ص ۳۸)

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ لَعَلَّ میں لام تاکید کا ہے اور لام کے بغیر عَلَّ میں تکرار کے معنی ہیں۔ تو یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا سے لے کر پوری آیت میں جو مضمون بتلایا گیا ہے اس پر عمل کی تاکید اور یہ تکرار مضمون ذہن نشین کرانا مقصود ہے: یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔

ان کے علاوہ تفسیر ابن جریر، تفسیر قرطبی اور روح المعانی میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ لَعَلَّ بہ معنی ''تاکہ'' ہے۔

قارئین کرام کی سمجھ میں تو یہ بات آگئی ہوگی کہ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ہی کا صحیح ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم کے لیے ان سب متقدین سے لے کر متاخرین تک مفسرین رحمہم اللہ کی عبارتیں دے دی جائیں۔

"لعلكم تتقون :

قيل له ذالک على غير المعنى الذى توهمت وانما معنى ذالک اعبدوا ربكم الذى خلقكم والذين من قبلكم لتتقوه بطاعة وتوحيده وافراده بالربوبية

والعبادة.

کماقال الشاعر:

وقلتم لنا کفوا الحروب لعلنا
نکف ووثقتم لنا کل موثق
فلما کففنا الحرب کانت عهودکم
کلمع سراب فی الفلاتالق

یرید بذالک قلتم لنا کفوا لنکف وذالک ان لعل فی هذالموضع لو کان شکا لم یکونوا ولقولهم کل موثق." (تفسیرابن جریر: ج۱ص۱۲۵)

"وقیل لعل بمعنی کیْ ووجه بانها للاطماع والکریم الرحیم اذا اطمع فعل فجری اطماعه مجری وعده المحترم فلهذا قیل انها بمعنی کی قال القفال فی لعل معنی التکریر والتاکید اذ اللام للابتداء نحو لقد ولقولهم علک ان تفعل کذا وعل یفید التکریر ومنه العلل بعد النهل فقول القائل افعل کذ لعلک تظفر بحاجتک معناه افعله فان فعلک له یوکد طلبک له ویقویک علیه."

(تفسیر نیشاپوری علی حاشیۃ تفسیر ابن جریر الطبری)

ان العرب استعملت "لعل" مجردة من الشک بمعنی لا کی فالمعنی (لتعقلوا ولتذکروا) ولتتقوا وعلی ذالک بدل

قول الشاعر:

وقلتم لنا كفوا الحروب لعلنا
نكف ووثقتم لنا كل موثق
فلما كففنا الحرب كانت عهودكم
كلمع سراب فى الفلا متالق

المعنى كفوا الحروب لنكف ولو كانت "لعل" هنا
شكا لم يوثقوالهم كل موثق."
وهذاالقول عن قطرب والطبرى (تفسیر القرطبی: ج ا،ص ۲۲۸)
"وقال الشيخ شهاب الدين السيد محمود الالوسى
لم لا يسعد ان يقال ان المعنى فى الاية على التحليل
اما لان "لعل" تجىء بمعنى كَىْ كما ذهب اليه ابن
الانبارى وغيره."
(۱) واستشهد. بقوله:

وقلتم لنا كفوا الحروب لعلنا
نكف ووثقتم لنا كل موثق
(روح المعانی: ج ا،ص ۱۸۶)

لغت کی معروف کتاب ''لسان العرب'' میں ہے:
وقد جاء ت فى القرآن بمعنى كَىْ (لسان العرب فی
لعل: ج ۱۱،ص ۷)
''اورلعل قرآن پاک میں تا کہ کے معنی میں آیا ہے۔''
غرض صاحب محاسن کنزالایمان کا یہ کہنا غلط ہے کہ لم يثبت فى اللغة مثله.
لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔ایک اور فرق بھی صاف نظر آ رہا ہے کہ حق تعالیٰ
اپنی عبادت کا حکم اس لیے دے رہے ہیں تا کہ بندے اس پر عمل کرکے پرہیزگار بن

جائیں۔ یہ بات تو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے سے سمجھ میں آتی ہے اور فاضل بریلوی کے ترجمے سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امید پر یہ حکم دے رہے ہیں کہ بندوں کو پرہیز گاری مل جائے۔

اب آپ خود ہی موازنہ کر لیجیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے امید کرنے کے الفاظ کسی بھی طرح مناسب ہیں؟ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ فاضل بریلوی کا ترجمہ عظمت شان باری کے نامناسب ہے اور ان کی کم علمی کی دلیل بھی، یا بہ زبانی بریلوی حضرات گستاخی خدا جل شانہ ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کا حکم:

وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ (سورۂ بقرہ:۱۷۳)

ترجمۂ حضرت شیخ الہندؒ: ''اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا''۔

حضرت شیخ الہندؒ اس آیت مبارکہ کے حاشیے میں تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...البتہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقرا کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچا دے یا کسی مردے کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہے، کیوں کہ یہ ذبح غیر اللہ کے نام ہرگز نہیں''۔ (موضح الفرقان: ص ۳۲)

یہ اسلام کا تعلیم کردہ صحیح طریقہ ہے اور بریلوی حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ بہار شریعت میں ہے:

''اگر عطف کے ساتھ دوسرے کا نام ذکر کیا مثلاً یوں کہ بسم اللہ واسم فلاں (یعنی اللہ کے نام سے) اس صورت میں جانور حرام ہے کہ یہ جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہوا''۔ (بہار شریعت: حصۂ پانزدہم، ص ۱۱۹)

ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نیت کی تھی، پھر مسئلہ معلوم ہو گیا کہ خدا

کے سوا کسی کے نام جانور نہ کرنا چاہیے اور اس نے اپنی غلطی سے توبہ کر لی، تو اب جانور درست ہو گیا۔

اب ایک اشکال یہ ہے کہ آیت میں اہلال کے معنی فقط ذبح کرتے وقت آواز کے ساتھ نام لینا "ہیں" یا اور معنی جو اس سے زیادہ عام ہوں وہ مراد ہیں؟ اسی میں بریلوی حضرات کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فقط ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینے سے جانور حرام ہوتا ہے ورنہ نہیں، لیکن فقہائے کرام نے مَا اُهِلَّ بِه کے معنی عام لیے ہیں اور ان کا یہ قول صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت پر مبنی ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وجرت عادة العرب بالصباح باسم المقصود بالذبيحة وطلب ذالک فی استعمالهم حتی عبر به عن النية التی هی علة التحريم الاخزی ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه راعی النية فی الابل التی نحرها غالب ابو الفرزدق فقال انها مما اهل لغير الله به فتر كها الناس.

"اہل عرب کی عادت چلی آ رہی تھی کہ جو شخص یا چیز مطلوب ہوتی تھی اس کا نام زور سے چلا کر (اعلان کر کے) لیا کرتے تھے۔ اس اہلال کے لفظ کا استعمال اتنا زیادہ ہونے لگا تھا کہ اہلال قلبی نیت کو بھی کہنے لگے، جو درحقیقت تحریم کی اصل وجہ ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اونٹوں میں جو فرزدق کے والد غالب نے ذبح کیے تھے اس میں ان کی نیت ہی کا لحاظ رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ مَا اُهِلَّ بِه لِغَيْرِ اللهِ میں داخل ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے ان کا گوشت پڑا چھوڑ دیا"۔

قال ابن عطية وروايت فی اخبار الحسن بن ابی

الحسن انه، سئل عن امراة مترفة صنعت للعبها عرسا فنحرت حرورا فقال الحسن لا يحل اكلها فانها انما نحرت لصنم. قلت ومن هذا المعنى ماروينا عن يحيى بن يحيى التميمى شيخ مسلم قال اخبرنا جرير عن قابوس قال ارسل ابى امرأة الى عائشة رضى الله عنها وامرها ان تقرأ عليهم السلام منه وتسالها اية صلاة كانت اعجب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يدوم عليها قالت كان يصلى قبل الظهر اربع ركعات يطيل فيهن القيام ويحسين الركوع والسجود فاما مالم يدع قطه صحيحا ولا مريضا ولا شاهد اركعتين قبل صلوة الغداة قالت امرأة عند ذالک من الناس ياام المؤمنين ان لنا اظارامن العجم لا يزال يكون لهم عيد فيهدون لنا منه افناكل منه شيئا ؟ قالت اماما ذبح لذالک اليوم فلا تاكلوا ولكن من اشعارهم. (تفسیر قرطبی: ج۲ ص۲۲۳)

''ابن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے (حضرت) حسن ابن ابی الحسن کی روایات میں دیکھا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کوئی متمول عورت اپنی گڑیا کی شادی کرلے اور اس کے لیے اونٹ (جانور) ذبح کرے (تو اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟) تو حسن نے فرمایا کہ اس کا کھانا حلال نہیں۔ کیوں کہ یہ اس نے ایک بت کے لیے ذبح کیا ہے۔ میں (قرطبی) کہتا ہوں اسی معنی میں وہ روایت بھی ہے جو ہمیں (حضرت) امام مسلمؒ کے استاذ (حضرت) یحییٰ ابن یحییٰ التمیمی سے پہنچی ہے۔ انہوں نے جریر سے اور انہوں نے قابوس سے روایت کی ہے کہ میرے والد نے ایک عورت کو

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے ان کا سلام عرض کر دیں اور دریافت کریں کہ (فرضوں کے علاوہ) کون سی (نفل) نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی زیادہ پسند تھی کہ اس پر ہمیشگی فرماتے تھے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، ان میں طویل قیام فرمایا کرتے تھے اور زیادہ اچھی طرح رکوع و سجود ادا فرماتے تھے۔ البتہ (فرضوں اور وتر کے علاوہ) ایسی نماز جو آپ نے کبھی بھی نہ چھوڑی ہو، نہ حالت صحت میں اور نہ بیماری میں اور نہ زمانۂ اقامت میں وہ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ حاضر عورتوں میں سے ایک کہنے لگی: اے ام المومنین! ہمارے بچوں کو پالنے والی مائیں عجمی ہیں، ان کے یہاں جب ان کی عید کا دن آتا ہے تو وہ ہمارے لیے اس دن کا تحفہ بھیجتی ہیں، کیا ہم اس میں سے کچھ کھالیا کریں؟ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ جو جانور اس دن کے لیے ذبح کیا جائے تو وہ مت کھاؤ۔ ہاں ان کے پھل فروٹ کھالیا کرو"۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ ارشاد کا واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے فخریہ انداز میں سوسو اونٹ ذبح کرنے طے کیے اور لوگ گوشت لینے پہنچے تو حضرت علیؓ جو اس وقت کوفہ میں تشریف فرما تھے باہر تشریف لائے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار تھے، انہوں نے اعلان فرمایا:

یا ایھا الناس! لا تاکلوا من لحومھا فانھا اھل بہ لغیر اللہ۔

"اے لوگو! ان اونٹوں کا گوشت مت کھاؤ، کیوں کہ ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے (یعنی تفاخر کے طور پر ذبح کیے گئے ہیں)۔

پھر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن عباس

رضی اللہ عنہما کی دو روایات نقل فرمائی ہیں:

(۱) نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُعَاقَرَةِ الْاَعْرَاب

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابیوں کے رواج کے مطابق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

(۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ (تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۸)

"جو جانور آپس کے مقابلے میں دکھاوے کے لیے ذبح کیے جائیں ان کا گوشت کھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔"

حضرت مدنیؒ کا عمل:

اکابر دیوبند یہی فرماتے ہیں کہ جانور کے معاملے میں احتیاط لازم ہے۔ جو شکلیں جائز ہیں وہ لکھی جا چکی ہیں۔ ان پر ان حضرات کا عمل بھی رہا ہے۔ حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ عید بقرہ کے موقع پر جو قربانی کیا کرتے تھے اس کے بارے میں دیوبند میں عام طور پر یہ سنا تھا ایک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور باقی اپنے اکابر کی طرف سے حصے ہوتے تھے۔ اکابر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی طرف سے ایک حصہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کے فتوے پر اکابر دیوبند کا عمل:

بریلوی مضمون نگار حضرات کا یہ کہنا کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ یا دیگر اکابر نے ایسے انداز سے کی ہے جس سے بہت سے ذبیحے حرام ہو گئے۔ غلط ہے بلکہ ان کا قول وہی ہے جو فقہائے کرام کا ہے اور فقہائے کرام کا قول وہ ہے جو سیدنا حضرت علی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

یہ فتویٰ دیو بند اور بریلوی کے دونوں مکاتب فکر سے پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ گویا درمیانی عرصے میں بھی یہی فتویٰ رہا ہے اور دور خلافت راشدہ میں بھی۔ اسی بنیاد پر اس کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ بہت تفصیل سے "تفسیر عزیزی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وَمَا أُهِلَّ بِهِ اور مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق اس جانور میں لغیر اللہ غیر خدا کے واسطے، چاہے وہ غیر بت ہو یا روح خبیث، جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط ہو اور جانور لیے بغیر وہ دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو غیر خدا کے تقرب کے لیے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ ذبح کے وقت نام خدا لے یا نہ لے، اس واسطے کہ جب شہرت کر دی گئی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام مفید نہ ہوگا، کیوں کہ وہ جانور غیر خدا کی طرف منسوب ہو چکا ہے اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی ہے اور اس کا خبث مردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب کہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کیا کرتا، جیسے کہ کتا اور سور کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کیے جائیں تو حلال نہ ہوں گے۔ اس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ جان کی نیاز پیدا کرنے والی ذات پاک کے سوا کسی کے نام کی درست نہیں اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی غیر اللہ کے تقرب کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے، لیکن ثواب جس چیز کا دینے والے کی طرف عاید ہو تو اس کا ثواب غیر کے واسطے کرنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ انسان کو یہ حق ہوتا ہے کہ اپنا ثواب غیر کو بخش دے، جیسا کہ اختیار ہے کہ اپنا مال

غیر کو دے دے۔ اور جانور کی جان آدمی کی مملوکہ نہیں ہے کہ دوسرے کو بخش دے۔ اور نیز مال کا دینا اس طرح سے مستوجب ثواب ہے کہ آدمی اس سے نفع اٹھاتے ہوں اور چوں کہ مردے بعد مفارقت اس جہان کے قابل انتفاع عین مال سے نہ رہے تو طریقہ نفع پہنچانے کا اس طرح قرار پایا ہے کہ مال کا ثواب مستحقوں کو پہنچتا ہے۔ مردوں کی طرف عاید کریں، اور چوں کہ جانور کی جان اس کی زندگی میں بھی انسان کے انتفاع کے قابل بالکل نہیں ہوتی تو اس کے مرنے کے بعد بھی قابل انتفاع نہ ہوگی۔ ہاں حدیث میں جو قربانی مردے کی طرف سے کرنا آئی ہے تو اس کے اسلام میں یہ معنی (بتلائے گئے) ہیں کہ جانور کی جان خدا کے واسطے دیں تا کہ اس کا ثواب مردے کو پہنچے۔ نہ یہ کہ جانور مردے کے واسطے ذبح کیا جاے۔

بعض جاہل مسلمان اس جگہ کج فہمی کر کے کہتے ہیں کہ گوشت پکا کر مردوں کے نام دینا جایز ہے اور ہم جانور کو ذبح کرنے میں مردے کی طرف سے اسی قدر ارادہ کرتے ہیں۔ (ایسے) جاہلوں کے سمجھانے کے واسطے ایک نقطہ کافی ہے کہ ان سے کہنا چاہیے کہ تم جانور کو ذبح کرنا بہ نام غیر خدا نذر کرتے ہو، اگر عوض جانور کے اسی قدر گوشت خرید کر کے پکا کر فقرا کو کھلاؤ تو تمہارے ذہن میں نذر ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے تو تم سچے ہو کہ تمہارا مقصود ذبح کرنے سے فقیروں کو مردے کی طرف سے کھلانا تھا اور اگر ادا نہیں ہوتی تو شرک صریح لازم آتا ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں کہ قرآن شریف میں چار جگہ وارد ہے تامل کرنا چاہیے کہ ما اُهِلَّ بِهِ لِغَیْرِ اللہ فرمایا گیا ہے۔ ما ذُبِحَ بِاسْمِ غَیْرِ اللہ نہیں فرمایا۔ پس بہ نام خدا ذبح کرنا اور شہرت اور آواز دینا کہ فلاں گائے فلاں کے واسطے ذبح کرتے ہیں، کچھ فایدہ نہیں دیتا اور گوشت جانور کو حلال نہیں ہوتا۔

اور اُهِلَّ کو ذبح پر حمل کرنا لغت اور عرف کے خلاف ہے۔ اهلال لغت عرب اور اسی ملک کے عرف میں بہ معنی ذبح کے نہیں آیا ہے۔ کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اهلال لغت عرب میں آواز دو شہرت دینے کے معنی میں ہے۔ جیسے آواز طفل نو۔ اور شہرت چاند اور بہ معنی آواز حج اور اس کے سو معنوں میں مستعمل ہے۔ (حتیٰ کہ) اگر کوئی کہے: اهـل الله تو یہ ہرگز ذبحت لله کے معنی میں نہ سمجھا جائے گا اور نیز اگر اہل کو ذبح پر حمل کریں تو ذبح بغیر الله مراد ہوگی۔ ذبح بہ اسم غیر الله کہاں مراد ہوگی تاکہ مدعیٰ ان آدمیوں کا حاصل ہو؟ پس اس عبارت میں اهلال کو بہ معنی ذبح لینا اور غیر الله کو بجائے اسم غیر الله کرنا قریب تحریف کلام الٰہی کے پہنچتا ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ تمام علما نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرلے اور ارادہ ذبح سے تقرب الی غیر الله رکھے تو وہ آدمی مرتد ہوگیا۔ اس کے ذبیحے بھی مرتد کے ذبیحے ہوئے۔

اور کافر جاہلیت میں گھر سے نکلتے ہوئے اور راہ میں بلند آواز سے بتوں کا نام لیتے جاتے تھے اور جب کہ مکۂ معظمہ میں پہنچتے طواف کرتے، یہ طواف ان کا ہرگز قبول نہیں ہوتا تھا اور اسی واسطے حکم ہوا کہ بعد اس سال کے مسجد حرام کے نزدیک نہ ہوں۔ پس اسی طرح یہاں بھی جو آواز بلند کی اور (زبان سے کہہ کر) شہرت دی کہ یہ جانور فلاں کے نام کا ہے اور اس کے نام ذبح کرتے ہیں اور حلال کرتے وقت خدا کا نام لیا، ہرگز وہ حلال نہیں ہوتا اور اس میں بھید یہ ہے کہ عوام کے نزدیک جانور کا ثواب پہنچانا جس کو منظور ہو اس کا ایک طریقہ مقرر ہے۔ جیسے کھانے پینے کی اشیا کا ثواب روحوں کو پہنچانا، فاتحہ اور قل اور درود پڑھ کر ہے، خواہ بہ قصد ثواب پہنچانے کے یا بہ قصد تقرب اور دفع شر اور طلب دوستی کے۔ ہاں! ذکر نام خدا کا جانور پر اس وقت مفید ہوگا کہ قصد تقرب غیر خدا کا دل سے دور

کرلے اور اس کے خلاف شہرت اور آواز دے کہ ہم اس کام سے پھر گئے۔

اب یہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ بہ کو اس سورت میں لفظ لغیر اللہ پر مقدم کیا اور سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں مؤخر۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی یہ وجہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ باء کو متصل فعل اور مقدم تمام متعلقات پر لائیں۔ اس لیے کہ باء اس مقام پر تعدیہ کے واسطے کی ہے، جیسے کہ ہمزہ اور تضعیف۔

پس (اصل یہ ہے) حتی الامکان فعل کے متصل ہو اور چونکہ اول قرآن ہے۔ پس اس موضع میں اس کی اصل پر استعمال فرمایا اور دوسری سورتوں پر انکار اور سرزنش مقصود ہے۔ اسی واسطے دوسری سورتوں میں ذبح بہ مقصد غیر اللہ مقدم لایا گیا، یعنی وہاں ذبح بہ مقصد غیر اللہ مقدم آیا۔ اس واسطے باقی سورتوں میں جملہ فلا اثم علیہ کو اس لیے موقوف رکھا کہ اول قرآن میں ممنوع ہو چکا ہے۔

اور یہ چار چیزیں کہ مذکور ہوئیں یعنی خون، مردار، سور کا گوشت اور وہ جانور کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے، اس قسم سے ہے کہ سب فرقوں پر ہر حال میں حرام ہے اور اس قسم سے نہیں ہے کہ ایک گروہ پر حرام اور دوسرے پر حلال۔ جیسے زکوۃ اور صدقات یا ایک حال میں حرام اور دوسرے میں حلال، جیسے دوا گرم کہ آتش مزاج پر حرام ہے اور بروقت برودت مزاج کے حلال اور بروقت لاچاری کے کھانا ان چیزوں کا اور ان کی حرمت معاف ہے۔" (تفسیر عزیزی: ج ۲، ص ۶۴۵-۶۴۳)

آپ کے سامنے حقدمین کا فتویٰ اور روایات مختصر انداز میں آگئی ہیں۔ ہر آدمی کے ذمے فرض ہے کہ وہ شریعت کی پیروی کر کے اپنے کھانے کو حلال رکھے، اپنی عبادات کو گناہ بننے سے بچائے، مسئلہ سمجھے اور اس پر عمل کرے اور ایصال ثواب اس

طریقے ہی سے کرنا چاہیے جو اسلام نے بتلایا ہے۔

نبی کا ترجمہ:

النَّبِیَّ الاُمِّیَّ (سورۂ اعراف: ۱۵۸)

"بے پڑھے غیب بتانے والے"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت نے نبی کا ترجمہ کہیں "غیب بتانے والے" کیا ہے اور کہیں "غیب کی خبریں بتانے والے" کیا ہے۔ (مثلاً سورۂ انفال: ۶۹)

لیکن آپ نے غور نہیں کیا یہ ترجمہ ناقص ہے۔ غیب کی خبر تو بتانے والے ولی بھی ہوتے ہیں، انہیں کشف بھی ہوجاتا ہے۔ بعض کو کم بعض کو زیادہ، لیکن انہیں ولی کہا جاتا ہے نبی نہیں کہا جاتا۔

نبی: خاص ذات کا نام ہوتا تھا جو غیب کی خبریں بتاتا تھا۔ اس پر ازغیب وحی آتی تھی، وہ معصوم ہوتا تھا وغیرہ۔ لہٰذا فقط غایب کی خبریں بتانے والا ترجمہ نہایت ناقص اور غلط ہے۔ اردو میں اس کا بدل کوئی ایک لفظ نہیں ہے، نہ ہی اس کے ترجمے کی ضرورت ہے۔

کسی بھی مسلمان سے پوچھ لیجیے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ تو وہ فوراً سمجھ جائے گا اور کہے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں۔ اگر پوچھیں کہ غیب کی خبریں بتلانے والا کون ہے؟ تو کوئی بھی کچھ نہیں سمجھے گا۔ ترجمہ اس لیے ہوا کرتا ہے کہ دوسری زبان میں سمجھا دیا جائے اور یہ لفظ ہر مسلمان جانتا ہے اور مانتا ہے۔ اس پیارے اور جامع لفظ سے ہٹا کر "غیب بتانے والے" کے لفظ کی طرف مسلمانوں کو لانا اعلیٰ حضرت کی جدت ہے اور ان کے ماننے والوں کی بے سوچے پیروی کی بری مثال ہے۔

خان جی کی حدیث پر کوئی نظر نہیں تھی:

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا

(سورۂ یوسف۔۱۱۰)

ترجمۂ حضرت شیخ الہندؒ: یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا"۔

آیت مبارکہ میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف رہا ہے کہ اسے کُذِبُوْا پڑھا جائے یا کُذِّبُوْا ۔یعنی ذال کے نیچے زیر سے پڑھا جائے یا تشدید سے بھی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کُــذِّبُــوْا تشدید سے پڑھتی تھیں اور دیگر حضرات کُـذِبُوْا پڑھتے تھے۔یہی ہماری قرأت ہے اور یہی ساری دنیا میں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔یہی فاضل بریلوی پڑھتے تھے اور بریلوی حافظ بھی یہی پڑھتے آ رہے ہیں۔یہی ان کے مطبوعہ قرآن پاک اور تفسیروں میں ہے۔فاضل بریلوی کی نظر حدیث پر نہ تھی،اس لیے انہوں نے قرأت یعنی قرآن پاک کے جملے تو وہی رکھے جو دوسرے صحابہؓ کے تھے اور تفسیر اس جملے کی لکھی جو حضرت عائشہؓ کی قرأت تھی (رضی اللہ عنہم)۔یہ تو فاضل بریلوی کی غلطی کا خلاصہ ہے مگر یہ بحث عملی ہے،ہم اسے آسان کر کے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو پہلے آپ اس آیت کی وہ تفسیر جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخاری شریف میں منقول ہے ملاحظہ فرمائیں۔اس کا آسان الفاظ میں یہ مفہوم ہے:

عروة بن الزبير عن عائشة قالت له وهو يسألها عن قول الله تعالى الحديث الخ (بخاری شریف۔ج۲،ص۶۳۰)

حضرت عروہ ابن الزبیرؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد حتی اذا استیئس الرسل کے بارے میں دریافت کیا کہ اس آیت میں (لقد) کُـذِبُـوْا (ان سے جھوٹ کہا گیا) ہے یا کُـذِّبُـوْا (لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کُذِّبُوْا ہے (یعنی لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا)۔میں نے کہا کہ آیت میں لفظ ظــــن آیا ہے، جس کے معنی ہیں"گمان کرنا" تو انبیائے کرام کو اپنی قوم کے بارے میں

یہ گمان تھوڑا ہی تھا، انہیں تو اس کا یقین تھا(کیوں کہ قوم کا جھٹلانا سامنے تھا) تو فرمانے لگیں کہ بالکل بلا شبہ انہیں یقین تھا۔ تو میں نے کہا کہ وظنوا انھم قد کُذِبُوْا پڑھنا چاہیے (یعنی ان سے جھوٹ کہا گیا) اس پر فرمانے لگیں کہ معاذ اللہ انبیائے کرام کا اپنے پروردگار کے ساتھ ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اس جملے سے مراد انبیائے کرام کے وہ پیروکار ہیں جنہوں نے اللہ پر ایمان قبول کیا، انبیائے کرام کی تصدیق کی۔ پھر ان کی آزمائش کا دور لمبا ہو گیا اور امداد خداوندی میں دیر ہوئی، حتیٰ کہ جب رسول اپنی قوم کے ان لوگوں سے کہ جو کافر تھے مایوس ہو گئے (کہ وہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں) اور رسولوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ان کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلا دیا ہے، اس وقت اللہ کی مدد آئی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو تفسیر ارشاد فرمائی ہے اس کے مطابق تو وہی ترجمہ ٹھیک ہے جس میں رسولوں کی مایوسی (استیئس الرسل) اور رسولوں کو خیال ہوا (وظنوا انھم) کے الفاظ لائے گئے ہیں اور وہ اسے کُذِّبُوْا ہی پڑھتی تھیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر منقول ہے، انہوں نے مایوسی اور ظن دونوں کی نسبت انبیائے کرام کی طرف کی ہے۔

اب ایک اور مسئلے کی طرف بھی توجہ فرمایئے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرأت پر کُذِّبُوْا پڑھنے کی صورت میں تو بات صاف ہو گئی، معنی یہ ہوں گے جو روایت میں گزرے کہ "رسولوں کو گمان ہونے لگا کہ ان کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلا دیا"۔

کُذِبُوْا کا مطلب حضرت عائشہؓ اور حضرت عروہؒ دونوں کے نزدیک یہی ہے کہ رسولوں سے جھوٹ کہا گیا۔ اسی لیے انہوں نے معاذ اللہ (خدا کی پناہ) کا کلمہ بھی استعمال فرمایا ہے۔

اور آج آپ قرآن کریم کا کوئی نسخہ اٹھا کر دیکھ لیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ کسی اور ملک سے قرآن پاک منگا کر دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور دنیا کے کسی ریڈیو سے فرمائش کر کے سن لیں کہ وہاں کا قاری کیا پڑھتا ہے؟ ہر جگہ کُذِبُوْا ہی ملے گا۔ یہی سب قرائے کوفہ کی قرأت تھی۔ امام عاصم، امام یحییٰ ابن وثاب، امام اعمش، امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ اور اہل حجاز میں سے امام ابو جعفر ابن القعقاع نے یہی قرأت لی ہے اور یہی قرأت حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر شاگرد حضرت ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ کی ہے۔ وہ صحابی نہیں تابعی تھے، مگر اس درجے بڑے عالم، متقی اور قاری تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کو اپنا مستقر (قیام گاہ) بنایا تو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ حضرت ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علم قرأت حاصل کریں۔ یہی قرأت حضرت حسن بصریؒ اور حضرت امام ابن سیرینؒ وغیرہ کی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور یہی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے اور یہی روایت حفص ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور یہی قرأت فاضل بریلوی کی بھی ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں تو اس قرأت کی رو سے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ کے ترجمے ہی کو صحیح تر اور آسان الفاظ میں معنی کے قریب تر کہنا پڑے گا۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔

''اور رسول خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔''

یعنی رسول اپنی قوموں سے مایوس ہوئے اور معلوم ہوا کہ جو بہ ظاہر ایمان لائے

تھے ان کا ایمان بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس میں انبیائے کرام سے جھوٹ بولا گیا تھا۔ وہ لوگ ایمان میں سچے نہ تھے، منافق تھے۔ جب رسولوں کی یہ حالت ہوئی تو اچانک ہماری مدد پہنچ گئی۔

عربیت کے لحاظ سے اس ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ ظَنُّوْا کی ضمیر اقرب کی طرف ہی راجع ہو رہی ہے۔ فاعل رسول ہی بن رہے ہیں اور معنی بھی درست ہیں اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ باوجود کُـذِبُوْا پڑھنے کے حضرت عائشہؓ کی تفسیر کے بھی عین مطابق رہتا ہے۔ کُذِبُوْا مجہول کا صیغہ ہے، جس کے معنی وہی ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ نے کیے "ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔" وہ نہیں ہیں جو اعلی حضرت نے کیے "رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔" لیکن اتنی گہرائی تک پہنچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ کے تراجم سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے اور ان کے الفاظ زیادہ سے زیادہ قائم رکھنے کی کوشش فرمائی ہے۔

اعلی حضرت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں، وہ یہ ہے:

"یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا"۔

یہ بھی غور کیجیے کہ آیت میں "ظاہری اسباب" اور "لوگ" کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں۔ گویا یہ ترجمہ نہیں تفسیر ہے اور قرأت کُـذِبُوْا کے مفسرین کی تفسیر سے تو پہلے ہی ہٹے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تفسیر سے بھی ہٹ گئے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے تفسیر فرمائی ہے کہ رسولوں کو گمان ہونے لگا اور اعلی حضرت نے کہا ہے "لوگ سمجھے" گویا اعلی حضرت نے یہ تفسیر بالرائے کی ہے۔

اسی طرح آپ سب لوگوں کے آئندہ بھی تمام اشکالات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ بحمد اللہ بہت سے علمائے کرام موجود ہیں، جب توجہ کریں گے تو وہ اس سے بھی

بہتر لکھیں گے (۱)۔

مجددانہ ترجمے میں غلطی:

تقابلی جائزوں میں یہ آیت بھی پیش کی گئی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ: "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہاں کے لوگوں پر۔"

ترجمہ حضرت تھانویؒ: "آپ کو اور کسی بات کے لیے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لیے۔"

آیت مبارکہ میں لفظ رسالت لایا گیا ہے، جس کا تعلق مکلفین سے ہے اور وہ ہیں انسان اور جن۔ آپ کی رحمت سے پہلے نمبر میں کامل طور پر ان ہی دو کو فیض پہنچانا ہے۔ اس لیے ان اکابر نے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے بڑی بالغ نظری سے ترجمہ کیا ہے۔ جس سے آیت کا مطلب صاف اور زیادہ واضح ہو گیا ہے جو بریلوی اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی نظر اس طرف نہیں گئی، اس لیے انہوں نے سادہ ترجمہ کیا:

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"

اعلیٰ حضرت سے مجددانہ ترجمے میں بھی یہ کمی یا غلطی ہو گئی ہے، کیوں کہ بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارض وسما اور بحر و بر کے لیے رحمت ہیں اور اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فقط "جہان" کیا ہے۔ حتیٰ کہ حاشیے پر نعیم الدین صاحب مراد آبادی کو اس کی

---

(۱) بحمد اللہ! علمائے دیو بند نے اس باطل اور گستاخ فرقے کی باتوں کی تردید کا حق ادا کیا ہے۔ شیخ الحدیث امام اہل سنت حضرت "الاستاذ مولانا سرفراز خان صفدر نے "تنقید متین" اور مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے "بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ" تحریر فرمایا۔ یہ دونوں کتابیں لاجواب ہیں۔ والبستان علمائے دیو بند ان کا بھی مطالعہ فرمائیں۔ (شریفی)

تلافی کرنی پڑی۔

نومی ترجمے کی برابری بیان القرآن سے:

فاضل بریلوی نے علمائے سلف کا دامن چھوڑا تھا اور ان پر الزام تراشی کی تھی تو خدا نے فاضل بریلوی کو ایسی کوتاہیوں میں مبتلا کر دیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (سورۂ مومنون: ۴)

ضیائے کنز الایمان میں ہے کہ

"اس آیت سے پہلے نماز کا ذکر ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ اور قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ وہ نماز کے بعد عام طور پر زکات کا ذکر کرتا ہے، اس لیے اس آیت میں زکات کا ترجمہ زکات کرنا ہی بہتر ہے، لیکن ہمیں سخت حیرت ہوئی جب ہم نے دیکھا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت میں زکات کا ترجمہ تزکیہ کیا ہے۔"

اس مقام پر پھر صاحب "ضیا" نے حضرت مولانا تھانویؒ کا ترجمہ مع تفسیر کے نقل کیا ہے جو نہ چاہیے تھا یا وضاحت کرنی چاہیے تھی۔

انہوں نے ترجمہ کیا ہے:

"اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں"۔

تزکیہ زکات کے معنی میں بھی بحال ہے اور پاکیزگی اعمال و اخلاق بھی اس میں آجاتے ہیں۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسا ترجمہ کیا ہے جس میں دونوں آجائیں۔

دوسری بات صاحب ضیا نے یہ لکھی ہے کہ اس آیت سے پہلے وَالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کی آیت ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

اٹھارھواں پارہ نکالیے، اس کے شروع کی آیات اس ترتیب سے ہیں:

قد افلح المُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ والَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ والَّذِيْنَ هُمْ

لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَo (سورۂ مؤمنون:۱تا۴)

"بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔"

آپ دیکھیں کہ دوسری آیت نماز کے بارے میں ہے، تیسری آیت میں لغو باتوں سے احتراز کی تعلیم ہے اور چوتھی آیت میں فعل زکوٰۃ کے کلمات آئے ہیں۔ ناقد صاحب کی تحریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں کی آیتیں متصل ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ درمیان میں ایک اور آیت ہے اور حضرت تھانویؒ نے تفسیر میں ساتھ ہی تحریر فرما دیا ہے کہ یہ آیات مکیہ ہیں اور زکات کی فرضیت مدینہ میں ہوئی، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اب قرآن پاک دیکھ لیجیے۔ سورۂ مؤمنون مکیہ لکھا ہے اور صدر الافاضل لکھتے ہیں۔

"سورۂ مؤمنون مکیہ ہے، اس میں چھ رکوع اور ایک سو اٹھارہ آیتیں اور ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمے اور چار ہزار آٹھ سو دو حرف ہیں"۔ (خزائن العرفان)

اب آپ ہی بتلایئے کہ کون سا ترجمہ غور کر کے لکھا گیا ہے؟ حضرت تھانویؒ والا یا فاضل بریلوی والا؟ فاضل بریلوی نے تو رواروی میں یہ ترجمہ لکھ ڈالا:

"اور وہ کہ زکات دینے کا کام کرتے ہیں۔"

مگر حضرت تھانویؒ نے غور کیا کہ یہ آیت نماز کی آیت سے متصل نہیں ہے، بیچ میں ایک اور بھی آیت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیات مکی ہیں، تیسرے یہ کہ یُـؤْتُـوْنَ الزَّکٰوۃَ کے بجائے هُـمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ فرمایا گیا، لہٰذا جامع ترجمہ کرنا چاہیے۔ اب بتلایئے کون سا ترجمہ سمجھ کر لکھا گیا ہے اور کون سا بے غور کیے اور نیند کے اوقات میں؟

''علم'' کی بجائے ''دیکھنا'' ترجمہ کیا:

احطتُ بما لم تحط بہٖ وجئتک من سبأ بنبأ یقین

(سورۃ نمل: ۲۲)

ترجمۂ حضرت شیخ الہند ''میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیق''۔

ترجمۂ فاضل بریلوی ''میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں''۔

ترجمۂ حضرت تھانوی ''میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی''۔

قرآن کریم میں احاطے کا لفظ خبر اور علم کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

(۱) حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے کہا:

وکیف تصبر علی ما لم تحط بہٖ خبرا (سورۃ کہف:)

''اور اس بات پر کیوں کر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں''۔

(ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۲) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

وقد احطنا بما لدیہ خبرا (سورۃ کہف: ۹۱)

''اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۳) بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہٖ (سورۃ یونس: ۳۹)

''اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۴) حتّٰی اذا جآءو قال اکذبتم بایٰتی ولم تحیطوا بھا علما (سورۃ نمل ۸۴)

''یہاں تک کہ جب سب حاضر ہولیں گے فرمائے گا کیا تم نے میری آیتیں جھٹلائیں؟ حالاں کہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچتا تھا۔'' (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۵) وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (سورۂ بقرہ:۲۵۵)

''اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۶) وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (سورۂ طلاق:۱۲)

''اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

(۷) آج جدید عربی میں محاورہ ہے:

احیط علم سیادتکم

''جناب کو بتلانا چاہتا ہوں۔''

لہٰذا یہاں بھی احاطے سے مراد خبر اور علم کا احاطہ ہی لینا آیات قرآنی کے زیادہ مناسب ہے اور محاورات کے بھی۔ اور اس آیت میں تو اگلے جملے میں خود ھدھد نے نبا یعنی خبر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ (سورۂ نمل:۲۲)

''اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں''۔

(ترجمۂ اعلیٰ حضرت، بریلیہ)

صدر الافاضل لکھتے ہیں نبا خبر کو کہتے ہیں جو مفید علم ہو اور شائبۂ کذب سے خالی ہو۔

دیکھیے! حاشیہ آیت مبارکہ: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (سورۂ اعراف:۱۵۷)

اسی طرح عرب ریڈیو والے نشر الانباء بولتے ہیں۔ غرض آیت میں نبا، خبر کا لفظ موجود ہے، لہٰذا پہلے جزا حطت بما لم تحط بہ کے ترجمے میں اسی کا لحاظ رکھنا ٹھیک ہوگا نہ کہ اجتہاد کر کے کوئی نئی بات پیدا کرنی، جیسے فاضل بریلوی نے کی۔ انہوں نے احاطے کا ترجمہ علم کے بجائے دیکھنا کیا۔ مقالہ نگار نے عمداً (جان بوجھ کر) آیت آدھی نقل کی تاکہ دوسرے حضرات پر اعتراض کر سکے۔

اب رہا مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ انسان کے جاننے کو علم اور جانوروں کے جاننے کو ادراک کہتے ہیں۔ اس بات کا قرآن پاک پابند نہیں ہے۔ یہاں آپ کا کلام الٰہی کے سامنے اپنی سب باتوں کو چھوڑنا پڑے گا۔

وہ خبر لایا اور خبر بغیر علم کے کیسے ہو سکتی ہے؟ یہی نہیں بلکہ سیدنا حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اسے اگلے کاموں کا حکم دیا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَا ذَا يَرْجِعُوْنَ○ (سورۃ نمل: ۲۸-۲۷)

''سلیمان نے فرمایا: اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے؟ میرا یہ فرمان لے جا کر ان پر ڈال، پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں''۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

آپ غور کریں تو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے اسے کس درجے سمجھدار اور باخبر قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ کیا ہے۔

''عرض کی: میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں''۔

''دیکھ آیا ہوں'' اپنی طرف سے بنا دیا ہے، جب کہ آیت کے کلمات کا یہ تقاضا نہیں ہے جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ اور اگر اعجاز قرآن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو

احمد رضا خان صاحب کے ترجمے کی عربی عبارت ما الم تر ہے جو احطت بما لم تحط بہ سے مختصر ہے۔ احطت بما لم تحط بہ کے چودہ یا پندرہ حرف ہیں اور ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام کے حروف بلا وجہ زاید ہوں اور مختصر عبارت کے بجائے لمبی اور بے معنی عبارت لائی جائے۔ اسلاف کرام نے تو ترجمے میں اس کا لحاظ رکھا اور قرآن پاک کے دوسری جگہ استعمال کے مطابق ترجمہ کیا، لیکن خان صاحب کی نظر اتنی باریکی تک نہیں پہنچی اور انہوں نے جلدی میں یہ ترجمہ کر دیا کہ

"میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی"۔

آپ کے بھی ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ترجمہ لفظی ہی ہونا چاہیے نہ کہ اپنی طرف سے بنا کر۔

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ (سورۃ الشوریٰ:۲۴)

ترجمۂ حضرت شاہ عبد القادر صاحب قدس سرہ "سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔"

ترجمۂ حضرت شیخ الہندؒ: "سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر"۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ درحقیقت حضرت شاہ عبد القادر صاحب قدس سرہ کا ہی ہے۔ انہوں نے اسے صرف اپنے دور کی زبان کے قریب کیا ہے، جس کے لیے فقط الفاظ آگے پیچھے کرنے ہوتے ہیں مگر بہت سوچ کر، لیکن اس مقام پر انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی مہر جو وہ اپنے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر لگانے کے لیے فرما رہا ہے کس قسم کی ہوتی؟ اس کے بارے میں قرآن پاک میں وضاحت نہیں فرمائی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا پسند فرماتا۔ اگر اس کے ترجمے میں کوئی لفظ بڑھایا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پہلے سے آپ کو عطا نہیں ہوئی تھی، جب مہر لگی تو عطا ہوئی۔ تو ایسی چیز کا جب تک قرآن

پاک یا احادیث سے بتانہ چلے اپنی طرف سے قطعی تعین کے ساتھ نام نہیں لیا جا سکتا۔
نیز اکابر امت یہ احتیاط رکھتے تھے کہ قرآنی عبارت میں کوئی لفظ اپنی طرف سے نہ بڑھایا جائے۔ اس لیے بھی ان اکابر نے صرف مہر کا لفظ استعمال کیا۔
لیکن فاضل بریلوی جنہوں نے لینے لینے ترجمہ لکھوایا تھا نہ اس مقصد کو سمجھے نہ اس باریکی تک ان کی نظر پہنچی۔ اس لیے انہوں نے ترجمہ کیا:
''اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر فرمائے''
اب اس ترجمے پر غور کریں تو اپنی رحمت وحفاظت کے الفاظ انہوں نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔ گویا قرآن پاک کے معانی میں دخل اندازی کی ہے۔ جس سے ایک غیر مسلم معترض یہ مطلب بھی نکال سکتا ہے کہ معاذ اللہ پہلے سے آپ کے قلب مبارک کو خدا کی رحمت اور اس کی حفاظت حاصل نہ تھی بلکہ آیت کی رو سے بعد میں بھی حاصل نہیں ہوئی۔ کیوں کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر چاہے تو مہر فرمادے۔ اور انداز کلام ایسا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کو تو قدرت ہے، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس نے مہر نہیں فرمائی۔
اب اگر خان صاحب کے بیان کے مطابق مہر سے مراد خدا کی رحمت اور حفاظت لی جائے تو معاذ اللہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور وحی کی عصمت ختم ہو جاتی ہے، کیوں کہ قرآن حکیم یا احادیث میں اس مہر کے بعد میں لگنے کا بھی ذکر نہیں آیا، گویا آپ مہر بغیر ہی رہے، اور خان صاحب کا عقیدہ ایسا ہی لگتا ہے، کیوں کہ انہوں نے سترھویں پارے کی آیت:
وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ
کی ایسی ہی غلط تفسیر کی ہے (جیسے کہ اس کا بیان ہو چکا ہے)۔ وہ یوں تو حب رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ظاہر کرتے ہیں، مگر حقیقتاً اپنی ایجادات سے اسلام کی جڑوں؛

بلڈ چلاتے رہتے ہیں یا پھر اپنی ایجادات میں اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رہتی۔

خان جی کے ترجمے کا سائنس سے ٹکراؤ:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (سورۂ رحمٰن:۳۳)

ترجمۂ مولانا اشرف علی تھانوی "اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے باہر نکل جاؤ تو نکلو۔ بدوں (بغیر) زور کے نہیں نکل سکتے"۔

حضرت تھانوی کا ترجمہ فقط اتنا ہے۔ صاحب ضیائے کنز الایمان نے جو ترجمہ لکھا ہے وہ مولانا کے ترجمۂ قرآن پاک میں نہیں ہے، وہ ان کی تفسیر میں ہے۔ حالاں کہ تراجم کے تقابلی جائزے میں ترجمے ہی لکھنے چاہئیں اور اگر تفسیر میں سے کوئی چیز نقل کی جارہی ہو تو اس کی وضاحت کرنی چاہیے، تاکہ پتا چلے کہ یہ تفسیر کا حصہ ہے، ورنہ نقل میں خیانت ہوگی۔ لہٰذا یہ اعتراض من گھڑت ہوا۔ مگر ہم فقط ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں آسمان اور زمین دونوں کی حدود سے نکلنے کو فرمایا گیا ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا اور خطاب انسان اور جن دونوں کو ہے۔ جنات کا آسمان تک جانا قرآن پاک میں ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا (سورہ جن:۸)

"اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے۔" (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

چاہے جنات حقیقی آسمان تک پہنچے ہوں یا اس جگہ تک پہنچے ہوں جسے جنات

کے ہاں آسمان کہا جاتا ہو۔ آج کی سائنسی معلومات یہ ہیں کہ زمین کی کشش ثقل سے پرے چلے جانا نہ پہلے بعید تھا نہ اب بعید ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فقط زمین کی حدود سے نہ نکل سکنا مراد نہیں ہے اور آسمان کی حدود سے نہ جنات پہلے نکل سکتے تھے نہ اب نکل سکتے ہیں اور انسان کا کشش ثقل اور مدار کی آخری حد تک پہنچنا بھی مشکل سمجھا جاتا تھا مگر کتابوں میں زیر بحث آتا تھا کہ مثلاً کوئی شخص آسمان کو چھونے کی قسم کھالے تو قسم رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟ لیکن اس کا ایک حصہ جنات کی طرح انسان سے بھی اس صدی میں وقوع میں آیا ہے اور ایک خاص طاقت اس کے بس میں آگئی ہے۔ گویا قرآن حکیم میں جس زور کے حاصل ہونے پر زمین کی حدود سے باہر نکلنے کے امکان کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اب عنایت ہوگئی ہے۔ مولانا تھانوی کا ترجمہ یہ ہے:

''تو نکلو بدوں (بغیر) زور کے نہیں نکل سکتے''۔

اس ترجمے اور آج کے سائنسی ترقی میں کیا تعارض ہے؟ بلکہ یہ ترجمہ سائنسی ترقی کی طرف دعوت دے رہا ہے کہ کوئی طاقت خدا نے ایسی بنائی ہے جس کے ذریعے کسی حد تک نکلنا ممکن ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے؟ اس کی تلاش کی جائے اور اس طاقت کے حصول کے بعد کتنی کامیابی ہوگی؟ وہ خدائے برتر نے بتلادی ہے کہ دونوں کی حد سے نہ نکل سکو گے۔

(۲) آسمان و زمین دونوں ہی کی حدود سے نکل جائیں، یہ انسان اور جن دونوں ہی کے بس کی بات نہیں۔ کیوں کہ اگر ایسی سواری بنائی جائے جو روشنی کی رفتار سے چلے تب بھی بظاہر اتنا ممکن نہ ہوگا کہ انسان اپنی گلیکسی کی حد ہی سے پار ہو سکے۔ کیوں کہ روشنی کی رفتار سے اگر سفر کیا جائے تو ہماری گلیکسی کے قریب ترین کنارے تک بھی پہنچنا ناممکن ہوگا۔ کیوں کہ پھر بھی اس سفر کے لیے کئی سو سال درکار ہوں گے، جتنی عمر عموماً نہیں ہوتی۔

یہ تو ہماری گلیکسی کی حد تک ہی پہنچنے کی بات تھی اور گلیکسیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی

جان سکتا ہے۔ اور آسمان کتنے فاصلہ پر ہے؟ جو ان کو محیط ہے، اس تک پہنچنے کا زور انسان میں نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی زور بخشے اور اپنے ارادے سے وہ ایک آن میں سارا سفر کرادے، جیسا کہ شب معراج میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے میں ایسی کوئی بات نہیں جس کا سائنسی ترقی سے ٹکراؤ ہوتا ہو۔ اس کے بالمقابل اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا جائزہ لیجیے، انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"اے جن و انسان کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے تو آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے"۔

اس ترجمے سے بہ ظاہر آسمان و زمین دونوں کے کناروں سے نکلنا ممکن سمجھ میں آتا ہے۔ حالاں کہ آسمان کے کناروں سے نکلنا غیر انبیا کے لیے ممکن نہیں۔ احادیث سے انبیا کے سوا کسی کا آسمانوں کے اوپر جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآن کے الفاظ سمجھنے میں غلطی:

دوسری بات خان صاحب نے اپنی رائے سے یہ کی کہ سلطان کا ترجمہ سلطنت کیا ہے اور قرآن پاک میں سلطنت کے لیے ملک یا تمکین فی الارض استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (سورۂ آل عمران: ۲۶)

"یوں عرض کر اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی۔

(۲) "رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ" (سورۂ یوسف: ۱۰۱)

"اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے ایک سلطنت دی"۔ (ترجمۂ اعلیٰ

حضرت)

حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت کے بارے میں مسلسل قریب ہی قریب متعدد آیات میں یہ جملے آئے ہیں۔

(۳) اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (سورۂ بقرہ: ۲۴۷)

"بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا"۔

(۴) وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ (سورۂ بقرہ: ۲۴۷)

"اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے"۔

(۵) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ (سورۂ بقرہ: ۲۴۸)

"اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے"۔

(۶) وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ (سورۂ بقرہ: ۲۵۱)

"اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکومت عطا فرمائی"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (سورۂ ص: ۳۵)

"اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو"۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

غرض بہت جگہ سلطنت کے لیے ملک کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح کلمے میں بھی پڑھتے ہیں کہ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اور تلبیہ میں بھی سب حاجی پڑھتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ اور سلطان کے لفظ کا استعمال بھی قرآن پاک میں جگہ جگہ دیکھ لیجیے۔ ہم ترجمہ بھی فاضل بریلوی کا ہی لکھے دیتے

ہیں۔

شیطان کی بات نقل فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن گمراہ لوگوں سے صاف کہہ دے گا:

۱: وما کان لی علیکم من سلطٰن (سورۂ صافات)

''میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا'' (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

دوسری جگہوں پر شیطان کو خطاب کر کے یہ ارشاد ہوا:

۲: انّ عبادی لیس لک علیھم سلطٰن (سورۂ بنی اسرائیل: ۶۵)

''بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں''۔ (ترجمۂ اعلیٰ حضرت)

۳.. اور آیت کا یہ ترجمہ پ۱۴ رکوع ۳ میں بھی وارد ہوا ہے۔

۴: فاتونا بسلطٰن مبین (سورۂ ابراہیم: ۱۰)

''اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ''

۵: وما کان لنا ان نأتیکم بسلطٰن الّا باذن اللہ (سورۂ ابراہیم ۱۱)

''اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے''

اہل لغت لکھتے ہیں کہ سلطان سلطنت کے معنی میں نہیں آتا۔ دراصل سلطان دلیل کو کہتے ہیں اور سلطان بادشاہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ذریعے دلایل اور دعوے عمل میں آتے ہیں اور حقوق دلائے جاتے ہیں۔ تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ترجمہ (سلطنت) یہاں نیند کے زور میں بغیر غور کیے لکھا گیا ہے اور آپ نے جو خوبیاں سمجھی ہیں وہ بھی غور کیے بغیر ہیں۔

تفسیری ترجمے سے قرآن، قرآن نہیں رہتا:

ووجدک ضآلًا فھدٰی (سورۃ والضحیٰ: ۷)

جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس ذرا بڑے ہوئے اور پہلی بار شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو وہ پریشان ہوئیں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے کر آئیں۔ والدہ محترمہ نے اپنے پاس رکھ لیا۔

"حلیمہ(۱) ابھی پہنچا کر واپس نہیں ہوئی تھیں کہ آپ باہر نکلے اور راستہ بھول کر کہیں چلے گئے۔ تلاش کیا گیا، آپ نہیں ملے تو سب پریشان ہو گئے۔ اس وقت بوڑھے اور غم زدہ دادا کی بے تابی عجیب تھی۔ اسی بے تابی میں وہ حرم میں پہنچے اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ ابن سعد نے اس دعا کے (مناجات) چند شعر نقل کیے ہیں۔

اللّٰھم اذ راکبی محمد
اده الی واصطنع عندی جیدا
انت الذی جعلته لی عضدا
لا یبعده الدھر فیبعدابدا
انت الذی سمیته محمدا

ترجمہ اے اللہ! میرے سوار محمد کو پہنچا دے، اس کو میرے پاس پہنچا دے اور مجھ پر احسان فرما، تو ہی ہے جس نے اسے میرا بازو بنایا ہے، اس کو کبھی بھی گردش زمانہ تباہی میں نہ ڈالے کہ اس پر بربادی آئے، تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد رکھا۔

اسی بے تابی میں تھے کہ تھوڑی دیر میں کسی نے آپ کو پہنچا دیا یا خود پہنچ گئے، تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگا لیا، پیشانی کو بوسہ دیا (ابن سعد

---

(۱) یہ واقعہ تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے دیا ہے۔

ج۱،ص۷۰)
ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عبدالمطلب کا اونٹ کہیں بھاگ گیا تھا تو انہوں نے پوتے کو تلاش اونٹ کے لیے بھیجا تھا، آپ راستہ بھول گئے۔ جب آپ بہت دیر کے بعد ملے تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگایا اور کہا کہ آئندہ کبھی کسی کام کو نہیں بھیجوں گا"۔
(سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص۱۸۳، بحوالہ طبقات ابن سعد، ج۱،ص۷۱)

آپ سورتوں کی ترتیب پر نظر ڈالیے۔ سورۂ الم نشرح، سورۂ والضحیٰ سے ملی ہوئی ہے۔ یہ واقعہ بھی شق صدر کے فوراً بعد کا ہے اور سورۂ والضحیٰ میں بھی انعامات کا ذکر ہے اور سورۂ الم نشرح میں بھی۔ واللہ اعلم

اس تفسیر کے لحاظ سے حضرت شیخ الہندؒ کا لفظی ترجمہ ووجدک ضالاً فھدیٰ " اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی" ٹھیک ہے۔ اور قرآن پاک کے کلمات مبارکہ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ بھی ہو گیا۔ یہ واقعہ عام تفاسیر میں نہیں تھا، اس لیے احتیاطاً حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی تفسیر میں حاشیے پر یہ مندرجۂ بالا تنبیہی نوٹ دے دیا ہے۔

تنبیہ: یہاں ضالاً کے معنی کرتے وقت سورۂ یوسف کی آیت قالوا تاللہ انک لفی ضلالک القدیم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اعظمی صاحب کا خیال ہے کہ قرآن پاک کا لفظی ترجمہ انبیائے کرام کی شان میں مناسب نہیں رہتا، اگر چہ وہ صحیح ہوتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"تمام مترجمین نے قرآنی لفظ کے اعتبار سے براہ راست اردو میں ترجمہ صحیح کیا ہے، مگر اس کے باوجود وہ تراجم کانوں پر گراں ہیں اور اسلامی عقیدے کی رو سے مذہبی عقیدت کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے"۔

(ص ۹ مقدمہ قرآن مترجم اعلیٰ حضرت)

کانوں کو گرانی سے کہاں تک پہنچائیں گے؟ کیوں کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں اور صدر الافاضل کی تفسیر میں بھی یہی کچھ ہے۔ دوسری جگہ انہوں نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں اسی لفظ کا ''راہ سے بے خبر'' ترجمہ کیا ہے۔

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ. (سورۃ الشعراء: ۲۰)

''موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی''۔

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اب بتایئے! اعلیٰ حضرت کو کون سی مجبوری تھی کہ انہوں نے یہ ترجمہ کیا؟ جب کہ آپ نے ان کے ترجمے کی افضلیت کے لیے باقاعدہ ایک عنوان قائم کیا:

''قرآن پاک کا تفسیری ترجمہ نہ کہ لفظی ترجمہ''

اور اس میں تفسیری ترجمے کی اتنی افضلیت بیان کی کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تک پر تنقید کر ڈالی۔

اس آیت کا ترجمہ فاضل بریلوی نے وہ کیا ہے جس کی طرف حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہی نوٹ میں توجہ دلائی ہے۔

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔

لیکن عربیت کے لحاظ سے یہ ترجمہ وہاں کیا جائے گا جہاں فقط ضلال کا لفظ آیا ہو، اس کا مقابل ہدایت کا لفظ ساتھ نہ لایا گیا ہو۔ جیسے سورۂ یوسف کی آیت ۹۵ میں ہے۔ ورنہ فاضل بریلوی نے بھی جگہ جگہ بہکنے وغیرہ کا ترجمہ کیا ہے۔

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ (سورۂ اعراف ۱۵۵)

''تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے''۔

مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (سورۂ اعراف ۱۸۶)

''جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں''۔

ومن یُضلِلِ اللہُ فما لہٗ من ھاد (سورۂ مؤمن:۳۳)
"اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔"

حتیٰ کہ انہوں نے خود سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

قل ان ضللتُ فانما اضلُ علیٰ نفسی وان اھتدیتُ
فبما یوحیٰ الیّ ربّی (سورۂ سبا:۵۰)
"تم فرماؤ! اگر میں بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور اگر میں نے راہ پائی تو
اس کے سبب جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے۔"

خان جی نے نیچری راہ اپنائی:

گویا عبارت میں ضلالت وہدایت جہاں جمع ہو رہے ہوں وہاں محبت اور از خود رفتگی کے معنی نہیں لیے گئے۔ یہ بات خود فاضل بریلوی کے لکھے ہوئے ترجموں سے آپ کے سامنے آگئی۔ بس یہی باتیں تھیں جو آپ اچھل اچھل کر بیان کرتے اور لکھتے تھے۔ یہی اصول تھا جسے آپ فوقیت دیتے تھے کہ تفسیری ترجمہ اچھا ہے۔ کہاں اچھا ہے؟ بلکہ بہت برا ہے۔ کیوں کہ تفسیری ترجمے سے وہ قرآن نہیں رہتا جو کلام رب العالمین کے حکم میں ہو، بلکہ وہ احمد رضا صاحب کی یا کسی اور کی تصنیف ہوتا ہے۔ خان صاحب اور نعیم الدین صاحب نے اسی بہانے اپنے عقاید قرآن بنانے چاہے ہیں جیسے اور اہل باطل کرتے رہے ہیں اور نیچری بھی یہی کرتے ہیں۔

نوٹ: اس بات کی طرف بھی توجہ دلانی مناسب ہوگی کہ فاضل بریلوی نے سورۂ یوسف اور سورۂ ضحیٰ میں دونوں ہی جگہ کے ترجمے میں "خود رفتہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے خود گئے ہوئے۔ یہ ان کی فارسی دانی میں غلطی کی مثال ہے۔ کیوں کہ جس معنی میں وہ یہ جملہ لائے ہیں اس کے لیے "از خود رفتہ" کہا جاتا ہے نہ کہ

بریلی کے فتووں کا سستا ہے بھاؤ
یہ بکتے ہیں اب کوڑی کے تین تین
خدا نے یہ کہہ کر انہیں ڈھیل دی
وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ

خاتمہ

فقۂ حنفی کا مسئلہ:

یہاں تک فاضل بریلوی کے ترجمے اور تفسیر کے تقابلی جائزوں میں بریلوی عالموں کی ان آیات پر بحث چل رہی تھی جن کے تراجم انہوں نے تحدی کے ساتھ پیش کیے اور دعویٰ کیا ہے کہ فاضل بریلوی کا کیا ہوا تفسیری ترجمہ ہی سب سے بہتر ہے، لوگوں کو یہی پڑھنا چاہیے۔ میں اب آخر میں ایک مسئلے کی طرف توجہ چاہتا ہوں جو عربی فقہ کے ہر طالب علم نے استادوں سے سنا ہوگا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی کو عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو وہ نماز میں اپنی زبان میں قرآن پڑھ کر نماز ادا کرے۔ مثلاً کوئی نومسلم جو عربی عبارت نہیں یاد کر سکتا اسے یاد کرنے کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ زبان الفاظ ادا کرنے سے اور ذہن یاد رکھنے سے قاصر ہے تو وہ نماز چھوڑ دے رکھے یا پڑھنی شروع کر دے؟ اگر پڑھنی شروع کرے تو کیسے؟ تو اس کے لیے آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی زبان میں آیات قرآنی کا ترجمہ یاد کر کے نماز ادا کرنی شروع کر دے۔ ایسی صورت میں تفسیری ترجمے سے نماز ادا کرے یا لفظی ترجمہ سے؟ تو آپ خود بھی یہی کہیں گے کہ لفظی ترجمہ سے ادا کرے، چاہے وہ کتنا ہی سادہ لگے۔

لہٰذا اب ایک مسلمان کے لیے جو ترجمہ پڑھنے کا شوق رکھتا ہو، سابقہ اکابر کے ترجمے ہی پڑھنے اور یاد کرنے افضل ہیں۔ کیوں کہ ان میں الفاظ قرآنی قائم رکھنے کی رعایت زیادہ رکھی گئی ہے۔

جہاں تک الفاظ کے اچھے برے لگنے کا تعلق ہے تو ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن پاک کے الفاظ بھی آپ کو برے لگنے لگیں اور اس اشکال میں پڑ جائیں کہ خداوند قدوس نے ومکروا ومکر اللہ اور پھر واللہ خیر الماکرین کیوں فرمایا؟ یہ جملے ہی آپ کو اچھے نہیں لگیں۔ آپ پڑھتے وقت جب ان آیتوں تک پہنچیں تو طبیعت منقبض ہونے لگے اور تفسیری ترجمے سے بھی تشفی نہ ہو۔ کیوں کہ تفسیری ترجمہ پڑھنے کے بعد بھی عربی میں تو وہی جملے پھر نظر آئیں گے جن سے وہم بیٹھا ہے۔ اس لیے آپ ان بحثوں میں الجھ کر اپنے ایمان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ ایسے تمام کلمات کے بارے میں جو سمجھ سے بالا ہوں جیسے کہ نزول رب تبارک وتعالیٰ کے بارے میں حضرت امام مالک، حضرت سفیان ابن عیینہ اور حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے۔ امروھا بلا کیف :ان کی کیفیت میں الجھے بغیر جیسے یہ کلمات قرآن پاک اور احادیث میں آگئے ہیں اسی طرح رہنے دو، انہیں اسی طرح نقل کردو۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کا قول نقل کر کے فرمایا:

وھکذا قول اھل العلم من اھل السنت والجماعت

''اسی طرح اہل سنت والجماعت کے علما کا ارشاد ہے۔''

اور فرقۂ جہمیہ نے ان آیات کی تفسیر و تاویل کی ہے: فتاولت الجھمیہ ھذہ الایات اور انہوں نے اہل علم کی تفسیر کے طریقے سے ہٹ کر تفسیر کی ہے۔ وفسروھا علی غیر ما فسر اھل العلم (ترمذی شریف باب ماجاء فی فضل الصدقۃ ص ۸۴)

اس لیے حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے پیروکاروں نے مکر کا ترجمہ کر ہی سے کر دیا اور اسی میں احتیاط سمجھی۔ وہ اور طرح کے خیالات میں نہیں پڑے۔ لہٰذا اس ترجمے کو برا سمجھ کر اس کی اشاعت کرنی، اس کی تحقیر کرنی علما کے لیے جائز نہیں۔ آپ تو اولیائے کرام کے حالات سنتے رہتے ہیں۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تو غلبۂ وحدۃ الوجود کے وقت فارسی اشعار میں یہ مصرع فرمادیا ہے:

آستیں بود وکشیدی ہچو مکاری آمدی

فرماتے ہیں وہ مجبور بھی نہ تھے، کیوں کہ یہ انہوں نے کسی آیت کا ترجمہ نہیں کیا ہے، ان کے بارے میں آپ اور ہم سب ان کی تعظیم کی وجہ سے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس مصرع کی توجیہ کریں گے اور غلبۂ حال و وجد پر محمول کر کے چھوڑ دیں گے۔ جب کہ قرآن پاک کے ترجمے میں تو مذکورۂ بالا مجبوری مسلک بھی ہے کہ اہل سنت ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ کلمات اپنے حال پر باقی رکھے جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قایم رکھے۔ اور اپنی رضا و فضل سے دنیا و آخرت میں نوازے۔ آمین

حامد میاں غفرلہ

UNITED ARAB EMIRATES

دولة الإمارات العربية المتحدة
وزارة العدل والشئون الإسلامية والأوقاف

الرقم: [redacted] ۸۸ ۷۹۰۰

التاريخ: ۳۱۰

الموافق: ۲۶-۳-۸۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متحدہ عرب امارات کی وزارت قانون، امور مساجد و اوقاف کی جانب سے
امام مساجد اور واعظین کے نام ایک سرکلر

وزارت قانون و امور مساجد و اوقاف کی جانب سے امام مساجد تمام واعظین کرام اور خطباء مساجد سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ بروز جمعہ بتاریخ ۲ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۸۳ء اپنے جمعہ کے خطبوں میں نمازی بھائیوں کو ترجمہ قرآن مجید کے اس فاسد ترجمہ (شائع کردہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور) کی طرف متوجہ کرائیں جو احمد رضا خاں بریلوی نے کیا ہے، اور جس کے حاشیہ پر نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر کا حصہ ہے۔ قرآن کریم کے جس نسخہ میں یہ ترجمہ قرآن اور ... شامل نہیں۔ ان خطرناک حاشیوں کے ساتھ ساتھ یہ ترجمہ شرک و بدعت اور باطل عقائد و خیالات جیسی بنیادی غلطیوں سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً انبیاء کرام اور اولیاء کے مقام سے حد سے بڑھانا، ان کو حاضر ناظر جاننا، ان کے عالم غیب ہونے کا عقیدہ رکھنا، ان کی قبروں پر چادر چڑھانا اور ان کے یوم ولادت کا جشن منانا وغیرہ وغیرہ۔ مزید برآں یہ محکمہ عالم اسلامی کو سکریٹریٹ تمام مسلمان عالم کی توجہ ان خرافات، شرک و بدعت اور بنیادی امور کی خطرناک ہونے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جن پر یہ ناقص ترجمہ مشتمل ہے، اور تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس ترجمہ کے تمام نسخوں کو تلف کر دیں تاکہ کلام الٰہی ہر طرح کی تحریف سے پاک و محفوظ رہے۔

[redacted]

محمد عبداللہ الخزرجی

اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری برائے امور مساجد
عرب امارات

متحدہ عرب امارات کی وزارت عدل والشؤن الاسلامیہ کی طرف سے "کنزالایمان" پر پابندی کے حکم نامے کا عکس

سعودی عرب میں بھی کنز الایمان پر پابندی

نئی دہلی، ۹ نومبر (جنگ رپورٹ) سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، بحرین اور دیگر عرب ممالک کے بعد اب سعودیہ نے بھی اپنے ملک میں حضرت احمد رضا بریلوی کی تفسیر قرآن "کنز الایمان" پر پابندی لگا دی ہے۔ بھارتی جریدے کے مطابق ان ممالک میں نہ کوئی شخص کنز الایمان باہر سے منگوا سکتا ہے اور نہ ہی مطالعہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکتا ہے

سعودی عرب میں بھی "کنز الایمان" پر پابندی
"جنگ" اخبار کا تراشہ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان کا بدعتیوں کے ایک مشہور مولوی سے مناظرہ ہوا۔ مولانا نے اپنے دعوے کی تائید میں حدیث پڑھنے کے لیے جب یوں کہا:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....

تو بدعتی مولوی نے ایک دم شور مچانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا: لوگو! حد ہو گئی، یہ وہابی مولوی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو کالا کالا (قال قال) کہہ رہا ہے۔

جاہل عوام بھی اس کے ہم نوا ہو گئے اور مجلس مناظرہ درہم برہم ہو گئی۔

(ہنستے ہنساتے واقعات: ص ۱۰۱)

یہ ہے بریلویت کی جہالت۔

فاضل بریلوی کے

فقہی مقام کی حقیقت

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

مولوی حشمت علی پیلی بھیتی کا مناظرہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (رحمۃ اللہ علیہ)
سے ہوا۔ اس بریلوی مولوی نے اپنا تعارف یوں کرایا:

"میں سگِ بارگاہِ رضوی ہوں۔"

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے
لگے

"ہم نے بھی کتے کے لیے کچلہ لکھنؤ سے منگوالیا ہے"۔

(علمی معرکے اور مجلسی لطیفے، ص ۵۲-۳)

ف۔ کچلہ ایک زہر ہے جو کتوں کو کھلا کر مارا جاتا ہے۔ حضرت مولانا نعمانی بریلویوں
کے لیے زہر تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ بریلوی ان سے بھاگتے تھے۔ شاہ جی
نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ
خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.
اَمَّا بَعْدُ.

فاضل بریلوی کی شخصیت:

فاضل بریلوی کی شخصیت کتنی عظیم تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ان کے ایک خلیفہ ظفر الدین صاحب نے "حیات اعلیٰ حضرت" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور آج تک اس کی صرف جلد اول ہی طبع ہوئی ہے۔ دوسری کتاب بہ نام "وصایا شریف" طبع ہوئی تھی۔ اس میں حالات بہت مختصر تھے۔ مگر ایک جملہ ایسا لاجواب تھا کہ ہر مسلمان۔ بریلوی ہو یا دیوبندی! سکتے میں آ گیا تھا۔

> "(فاضل بریلوی کے) زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا ہے کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہو گیا" (وصایا شریف: ص ۲۴)

ایسا شخص جسے دیکھنے والے کے دل سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق مٹ جائے آپ ہی بتلائیں کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ!

غرض کسی کو بڑھانے کی بھی حد ہوتی ہے۔ دیکھیے ! وہ صحابی جن کا درجہ علم کے اعتبار سے امت میں خلفائے اربعہ علیہم الرضوان کے بعد پانچواں قرار دیا گیا ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(اُولٰئک اصحابُ مُحمَّدٍ) اِختارھُمُ اللّٰہُ لِصُحْبَۃِ نَبِیّہٖ

''اللہ تعالی نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے لیے چنا تھا''۔

یعنی صحابی تو وہ ہستی ہوتی تھی جسے اللہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے لیے پسند کیا۔ احمد رضا خان جو بانس (۱) بریلی میں تیرھویں صدی میں پیدا ہوئے، انہیں صحابیِٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ لیکن پھر بھی ان کے بارے میں یہ الفاظ خاص ان کے اہل خانہ نے لکھ دیے۔ مگر سب سنی بھائیوں لے انہیں ناپسند کیا تو بعد کے نسخوں میں انہیں بدلنا پڑا اور بغیر اعلان رجوع کیے چپکے سے یہ تبدیلی کر دی گئی۔ گو تا حال بازار میں یہ قدیم نسخہ بھی دستیاب ہے۔

بریلوی حا جو اس فتنہ وفساد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔ وہ بہ ظاہر حنفی اور اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ فقط احمد رضا خان صاحب کے مقلد اور پیروکار ہیں۔ غرض ان کے انتقال پر تو یہی دو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ باقی کتابیں ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء سے لکھی جانی شروع ہوئیں اور اب آ کر یہ کتابیں، رسالوں کے نمبر اور ایام رضا کے مضامین ایک شکل اختیار کرتے چلے گئے، جن کی تعداد پچاس کے قریب لکھی گئی ہے۔

ان کی وفات ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء تک چالیس سال کا طویل دور جو تقریباً

(۱) فاضل بریلوی جس جگہ کے رہنے والے تھے وہ بانس بریلی کہلاتی ہے اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جہاں کے رہنے والے تھے وہ رائے بریلی کہلاتی ہے۔ (عامد میاں)

نصف صدی کا زمانہ بتا ہے سکون سے گزرا، پھر یکا یک پچاس کے قریب رسایل، رسالوں کے نمبر، پمفلٹ اور کتابچے شایع ہونے شروع ہو گئے (۱)۔ اس کے بعد سے ان ہی رسایل سے جعلی تاریخ تیار کی جا رہی ہے۔ مثلاً کوئی مضمون کسی پرچے میں دیدیا جاتا ہے اور کچھ روز بعد جو دوسرا مضمون لکھا جاتا ہے اس میں اس کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ بس گویا با حوالہ اور مصدقہ بات ہو گئی۔

اسی دور سے ان سب مسایل کو پھر سے اچھالا جانے لگا جن سے مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا ہو۔ آخر اس اختلاف کی تباہ کاری سامنے آئی اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بریلوی علما خود بھی کامیاب نہیں ہوئے اور پوری کوشش کرتے رہے کہ کوئی دیوبندی عالم بھی کامیاب نہ ہونے پائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معدودے چند کے علاوہ سب علما اور ان کے عقیدت مند الیکشن ہار گئے اور "روٹی، کپڑے اور مکان والے" جنہوں نے ۳۶ فی صد ووٹ لیے تھے کامیاب ہو گئے۔

دیوبندیت:

دیوبند ایک قصبے کا نام ہے، وہاں بہت بڑی مذہبی یونی ورسٹی ہے، جس میں حنفی فقہ اور عقاید کی تعلیم ہوتی ہے۔ جو مسلمان فقۂ حنفی کو مانتا ہو، حنفی عقاید پر قایم ہو، بدعات سے بچتا ہو بس وہ دیوبندی ہے۔ چاہے اس نے دیوبند میں پڑھا ہو یا سہارن پور میں یا کہیں اور بریلی وغیرہ میں۔

اور جو احمد رضا صاحب کی مذہبی ایجادات کو مانتا ہو وہ بریلوی ہے، چاہے اس نے بانس بریلی میں پڑھا ہو یا کہیں اور۔ بس اتنا سا فرق سارے اختلاف کا خلاصہ ہے۔ اس لیے جب بریلوی بھائی چاہتے ہیں بات کا بتنگڑ بنا کر فساد کھڑا کر دیتے ہیں۔ وہ حنفی فقہ یا عقاید کی بات نہیں ہوتی، احمد رضا خان صاحب کی ہوتی ہے۔ ویسے

۱۔ جیسے ان کتابوں کی تفصیل تحقیق الورد رضا ص ۳۴۹ تا ۳۵۲ مطبوعہ شرکت حنفیہ لمیٹڈ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

بھی ہر فساد میں آگے آگے رہے ہیں۔

ماضی قریب میں اسلام کے لیے نہایت نازک موقع پر بریلوی طبقے کے بااثر لیڈر نورانی صاحب قومی اتحاد سے الگ ہوئے (۱)۔ وہ کہتے تھے کہ قومی اتحاد کی میٹنگ میں جو بھی فیصلہ ہوگا وہ اتفاق رائے سے ہوگا۔ دوسرے حضرات کہتے تھے کہ فیصلے کثرت رائے سے ہوا کرتے ہیں۔ بس اس نکتے پر جتنا اختلاف بڑھا وہ آپ کے سامنے ہے۔

سیکڑوں شاہد (گواہ) موجود ہیں اور نورانی صاحب کا دل جانتا ہے کہ وہ مفتی محمود صاحب کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں (۲)، مگر بعد میں انہوں نے ان کے پیچھے نماز چھوڑ دی۔ امام حرم محترم کے بارے میں جنہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مطہرہ کے امام ہونے کا شرف حاصل ہے کہا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

بھلا بتایے تو سہی کیوں نہیں ہوتی؟ سرکار مدینہ تو اسے اپنے مصلے پر کھڑا کریں اور آپ کہیں کہ ان کے پیچھے ہماری نماز نہ ہوگی۔ اگر وہ ایسے ہی خراب تھے تو مدینہ پاک میں کیسے جم سکے؟ سرکار فرماتے ہیں:

المدینة کالکیر تنفی خبثها وتنصع طیبها

(بخاری: ج ۱ ص ۲۳۱)

"مدینہ منورہ بھٹی کی طرح ہے کہ وہ خراب چیز (یا حصے) کو الگ کر دیتی ہے اور عمدہ کو خالص کر دیتی ہے۔"

---

(۱) ۱۹۷۷ء کے الیکشن کے موقع پر پاکستان قومی اتحاد وجود میں آیا تھا۔ اس میں جمعیت علمائے پاکستان بھی شامل تھی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب اتحاد کی جماعتوں میں پھوٹ پڑی تو نورانی بھی الگ ہو گئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ (طیب)

(۲) نورانی بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ میں نے کبھی بدمذہب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ اس میں ائمہ حرمین اور دیوبندی علماء شامل ہیں۔ لیکن جب لیبیا گئے تو کرنل قذافی جو منکر حدیث اور داڑھی منڈا ہے اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی۔ تصویر بطور سند شامل کتاب ہے۔ (طیب)

یہ حنبلی امام ساٹھ سال سے ائمہ مسجد نبوی چلے آ رہے ہیں۔ ہر دن ان کی نماز وتلاوت خود سرکار سنتے ہیں۔ ان کے پیچھے آپ کے نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے مسجد نبوی میں جماعت و نماز کی توفیق سلب کر لی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ!

بریلوی حضرات کے اس طبقے نے دیو بندی بریلوی اختلافات کو پھر ہوا دینی شروع کی۔ جگہ جگہ مساجد کی بے حرمتی ہونا شروع ہو گئی۔ یہ عبادت گاہیں اکھاڑے بننے لگیں۔ یہ اسی قسم کے آثار ہیں جن کے نتائج ہم پہلے ۱۹۷۰ء میں دیکھ چکے ہیں اور یہ حرکات کسی خفیہ طاقت کے اشارے پر کی جایا کرتی ہیں۔

بریلوی اور قادیانی:

پاکستان کے شیعہ اور قادیانیوں کی ہمدردیاں بھی نورانی صاحب کے ساتھ ہیں۔ نورانی صاحب (اور ان کے ہم نواؤں) کے پیچھے چلنے والے مخلص مسلمانوں سے ہماری التجا ہے کہ وہ بغور حالات کا مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے لیڈر کو اپنے لیے نہیں بلکہ خدا کی خوشنودی کے لیے صحیح راہ پر لگائیں۔ یہ فتنہ و فساد کے لیے کسی کے آلۂ کار نہ بن پائیں۔ جناب عبدالستار صاحب نیازی فرماتے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں کی طرف سے ایک کروڑ روپیہ کی پیش کش کی گئی تھی وہ ہم نے مسترد کر دی(۱)، یعنی انہوں نے اپنے تعلق کا اقرار کیا ہے۔ جس میں ایسی پیش کش کی قادیانی لوگ ہمت کریں اب یہ کہ قبول کی یا نہیں کی، ان کے ساتھیوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا پتا لگائیں۔

اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

پیش نظر مضمون بریلوی حضرات کی ایک کتاب "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" پر

---

(۱) حالانکہ عبدالستار نیازی ختم نبوت کی تحریک میں شامل رہے۔ اس پیش کش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قادیانیوں کی طرف سے باقاعدہ فنڈ اس بات کا ملتا ہے کہ تم ہمارے خلاف آواز اٹھاؤ۔ جیسے بعض جماعتیں امریکا سے فنڈ لے کر اس کے خلاف احتجاجات کرتی ہیں۔ (شریعی)

تبصرہ ہے۔ہمیں اس بحث میں الجھنے کی ضرورت نہ تھی۔نہ ہی اس مضمون کا شوق تھا جو اس سے پہلے بریلوی کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر پر لکھا ہے(۱)، لیکن ہوا یہ کہ ان کی تفسیر اور فقاہت پر جو مضامین لکھے گئے ان میں اکابر ہند حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور بعد کے اکابر مثلاً قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نام لے لے کر تنقید کی گئی ہے۔اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ مختصر انداز میں ہر دو موضوعات پر کچھ لکھ دیا جائے۔

جیسے فاضل بریلوی کی تفسیر کے بارے میں بلند بانگ دعوے تھے، حالاں کہ اس میں شرمناک تفسیری غلطیاں ہیں۔اسی طرح ان کی فقاہت کا ڈنکا بجانے کی کوشش کی گئی ہے۔انہیں "مجدد مائۃ حاضرہ"، "امام اور مجتہد" لکھا گیا ہے اور دوسروں پر خوب خوب زبان درازی کی گئی ہے۔اس لیے اس موضوع پر بھی بقدر ضرورت لکھنا لازمی ہوگیا۔اگر کوئی اپنے کسی بڑے کی تعریف کرتا تو ہم اسے منع تھوڑا ہی کرتے۔لیکن یہ کہ اپنے بڑے کی تعریف کے ساتھ دوسروں کے بڑوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔اس لیے ہم ان کے مبلغ علم کی ناپ تول کر رہے ہیں جو تفسیر کے سلسلے میں تو آپ کے سامنے آچکا ہے اور فقہ کے سلسلے میں آنے والا ہے۔

ان مبالغہ کرنے والے عقیدت مندوں نے ۱۹۲۲ء کے قریب تو انہیں صحابیوں کا درجہ دیا تھا۔جیسا کہ شروع میں باحوالہ درج ہوا اور اب کم از کم "اس صدی کا مجدد" اور گزشتہ کئی صدیوں کا سب سے بڑا مفسر اور کئی صدی کا سب سے بڑا فقیہ جو مجتہدانہ شان رکھتا ہو، ثابت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں امام لکھتے ہیں اور باقی سب ہندوستان بھر کے صدیوں پیچھے تک کے سارے ہی علما کو ان کے سامنے ہیچ ثابت کرنے کے درپے ہیں۔اس مقصد کے لیے انہوں نے اس رسالے میں اپنے "امام فاضل بریلوی" کے بہت ہی اعلیٰ اور مایہ ناز مسایل چن کر نمونے کے لیے سامنے رکھے ہیں، جنہیں دیکھ کر

(۱) مذکورہ مقالہ زیر نظر کتاب کے شروع میں موجود ہے۔(ناشر)

ہمارا ان سے رہا سہا تفاہت اور فتوے کی استعداد کا گمان جاتا رہا۔

اس مقالے کا تعارف:

اس مضمون میں آپ پہلے تو ان مایہ ناز فتووں کا تماشہ دیکھیں، پھر اہل حضرت کے دیوبند سے اختلاف کی وجہ کا بھی مطالعہ کیجیے۔ آخر میں یہ دیکھیے کہ بریلوی اختلاف ہے ہی کتنے مسایل میں اور اس کی کتنی گہرائی ہے؟ اور یہ دونوں سنی حنفی گروہ کیا سچ مچ ایک دوسرے سے دور ہیں یا یہ سب اختلافات انگریزی سیاست کی پیداوار ہیں؟ حقیقت بہت تھوڑی سی ہے جسے بے حد بڑھا رکھا ہے۔حتی کہ اس کی وجہ سے فساد تک کی نوبت آجاتی ہے۔

علمائے دیوبند سے کچھ علما حسد رکھتے ہیں۔اس کی وجہ تاریخی واقعات ہیں۔ کیوں کہ ان ثابت شدہ واقعات سے حسد پیدا ہوا اور حاسدین کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل رہی۔

اہل سنت حنفی مسلمانوں کو اپنے دوسرے بھائیوں کی جو اہل سنت حنفی مسلمان ہی ہیں تاریخ پڑھنی چاہیے تاکہ انہیں صحیح معلومات حاصل ہوں اور خواہ مخواہ کی دلی برائی کے گناہ سے نجات ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اے بیٹے! اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ تمہاری صبح و شام ایسی حالت میں گزرے کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ضرور ایسا کرو"۔

پھر ارشاد فرمایا

(۱) یا بنی و ذالک من سنتی و من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنۃ.

(مشکوۃ شریف ص ۳۰۔ بحوالہ ترمذی شریف)

''اے بیٹا! یہ میرا طریقہ ہے (سنت) اور جو میری سنت کو محبوب رکھتا ہے وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور جو مجھے محبوب رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔

(۲) عن عبد الله بن عمرو قال قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم اىُّ النّاسِ اَفْضَلُ قال كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسانِ نَعْرِفُهُ فَما مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ النَّقِيُّ التَّقِيّ لا اثم عليه وَلَا بَغْى وَلَا غلٌّ وَلا حسَدَ.

(رواہ ابن ماجہ، البیہقی فی شعب الایمان: مشکوۃ ص ۴۴۳)

''حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سا آدمی سب سے اچھا (افضل) ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہر مخموم القلب شخص جس کی زبان سچی ہو۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ سچی زبان والے کا مطلب تو ہم سمجھ گئے۔ مخموم القلب سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا وہ پاکیزہ متقی شخص کہ جس کے اوپر (کسی کا) گناہ نہ ہو۔ نہ فسق و فجور ہو۔ نہ کسی کی طرف سے اس کے دل میں کھوٹ ہو، نہ حسد ہو۔ (وہ مخموم القلب ہے)''۔

(۳) ومن استطاع ان لا يحول بينه وبين الجنة ملأ كف من دم اهراقه فليفعل. (رواہ البخاری، مشکوۃ ص ۵۵۴)

''اور جو یہ کر سکے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک مٹھی بھر بھی خون نہ حائل ہو تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے''۔

مٹھی بھر خون جھگڑوں میں نکل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں مسلمان بالکل نہ جھگڑیں، نہ ظلم نہ زیادہ۔

اس تمہیدی کلمات کے بعد ہم اصل مضمون شروع کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں

کہ آپ اسے مکمل پڑھیں گے، تاکہ آپ کے سامنے اختلاف کی پوری حقیقت آجائے۔ واللہ المستعان

حامد میاں غفرلہ

ایک مرتبہ مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی لاری اڈے پر سوار ہونے کے لیے بیٹھے تھے تو چند بریلوی نے دیکھا کہ یہ دیوبندی عالم ہیں تو بار بار ان کے سامنے سے گزرتے اور پڑھتے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ (جس طرح اکثر اہل بدعت اہل سنت کو دیکھ کر یا رسول اللہ کہنا شروع کر دیتے ہیں) تو تین چار مرتبہ جب انہوں نے ایسا کیا تو مولانا نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ نہیں ہوں، آپ لوگوں کو دھوکا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ منورہ میں ہیں۔ تو وہ رسوا ہو کر دوبارہ نہیں آئے۔ اس لطیفے سے مولانا کی علمی شان اور حاضر جوابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(علمی مجالس، ص ۲۱۲)

باب(۱)

اقسام احکام شرعیہ کے متعلق فاضل بریلوی کی غلط بیانی

فقہی مقام میں ''رنگ اجتہاد'' کے زیر عنوان لکھا ہے کہ عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر ان قسموں کا بیان ہے کہ فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ، یہ گیارہ چیزیں گنائی گئی ہیں اور ان کی تعریفات ذکر کی گئی ہیں۔ لکھا ہے کہ

> ''یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صد ہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے''۔ انتہی کلامہ الشریف ماخوذ از فتاویٰ رضویہ: ج۱،ص۱۷۳ تا ۱۷۵
>
> (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، ص۱۱،۱۲)

ہم نے یہ ساری تعریفیں پڑھیں۔ بظاہر آپ کے لکھنے کا مقصد یہ لگتا ہے کہ یہ

علمی باتیں کسی اور نے نہیں لکھیں، یہ فقط اعلیٰ حضرت کا کمال ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔
دیکھیے ''شامی'' میں مستقل عنوان کے تحت اساءت اور کراہت کی بحث دی گئی ہے۔

مطلب فی قولهم الاسائة دون الكراهة.

(شامی ج ا ص ۴۷۷)

علامہ شامیؒ نے اس بحث میں سنت مؤکدہ، سنن ہدی اور سنن زوائد یعنی سنت غیر مؤکدہ اور مستحب کا ذکر بھی کیا ہے اور کراہت تحریمی، اساءت اور کراہت تنزیہی کا بھی۔ اساءت کی تشریح میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے: یہ وہ عمل ہے کہ جس کے کرنے والے کو گم راہ کہا جائے گا اور ملامت کی جائے گی۔ غرض اس تفصیلی بحث میں یہ تمام اقسام احکام اور اقوال ائمہ درج ہیں۔ اب رہی اولیٰ کی بات تو یہ بھی شامی میں ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے۔

مطلب اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة اولى (شامی. ج ا ص ۶۴۲)

''جب کسی حکم کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو تو سنت کو ترک کر دینا اولیٰ ہے''۔

شامی ہی میں اس سے اگلے صفحے پر ایک مسئلے کے ذیل میں تحریر ہے:

او اراد بالمباح ماليس بمحظور شرعا وخلاف الاولى غير محظور. (شامی: ج ا ص ۶۴۳)

''یا مباح سے مراد ہے کہ جو شرعاً منع نہ ہو اور خلاف اولیٰ ممنوع نہیں ہوتا''۔

غرض یہ گیارہ کی گیارہ قسمیں کتب فتاویٰ میں لکھی ہوئی چلی آ رہی ہیں، بلکہ صرف شامی ہی میں موجود ہیں۔ فاضل بریلوی کو آپ اتنی سی بات پر مجتہد کا درجہ دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ان اقسام کو نقل کر دیا ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ

ہے کہ فاضل بریلوی بھی خود اس پر ناز فرما رہے ہیں۔

اقسامِ احکامِ شرعیہ کی تعریفات میں کمی:

اب آپ اپنی لکھی ہوئی تعریفات کی کمی پر بھی غور فرمائیں۔ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو الفاظ آ رہے ہیں وہی سنت غیر مؤکدہ کی تعریف میں بھی آ رہے ہیں۔

آپ حضرات نے لکھا ہے:

سنت مؤکدہ: اس کا عادتاً ترک کرنا موجب استحقاق عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب، خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

سنت غیر موکدہ: جس کا ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہو، خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

اول تو سنت مؤکدہ کی تعریف کی عبارت ہی اصلاح طلب ہے۔ وہاں بھی یہی الفاظ آ رہے ہیں "خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً"۔ دوسرے یہ کہ جب سنت غیر مؤکدہ کا نادراً اور عادتاً دونوں طرح ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہوا اور سنت مؤکدہ کا بھی یہی حکم بیان ہوا ہے تو دونوں میں فرق کیا رہا؟ سنت غیر مؤکدہ کا عادتاً تارک بن جانا بھی خود موجب استحقاق عذاب بن جائے گا اور دونوں کی تعریف ایک ہو جائے گی۔

فاضل بریلوی کے فتاوے کی حقیقت۔

آپ نے پر زور الفاظ میں تحریر فرمایا ہے

"یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی اور جس شخص نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے اس سے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آپ کے سامنے ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ بصیرت کا اندازہ ہو سکے گا اور [illegible] روشن طریقے پر ثابت ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت عظیم

ابرکت اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے اور آپ کی تحریروں سے استنباط کی مہک آتی ہے۔" (فقہی مقام ص ۱۰-۱۱)

اس دعوت پر ہم نے بھی فاضل بریلوی کے فتاوے کا مجموعہ خریدا۔ آپ کے رسالے کا بغور مطالعہ کیا۔ فتاوے کی جلدوں کا بھی کہیں کہیں سے مطالعہ کیا، مگر گہری نظر ڈالتے ہیں تو کمزوریاں صاف نظر آتی ہیں اور قواعد فقہیہ کے بے جا استعمال کا عجیب تماشہ نظر آتا ہے۔

فاضل بریلوی سید طحطاویؒ کی بات نہیں سمجھ سکے:

دوسرا ایک تازہ فقہی مسئلہ:

اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام لکھنے والے صاحب نے ان کا اور علامہ طحطاوی کا تقابل بھی کیا ہے اور یہ مسئلہ لیا ہے کہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ زکام کی حالت میں جو ناک سے پانی آئے اس سے بھی وضو جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ مثالوں کے ساتھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے جہاں وہ ایسی بیماریوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ جن میں پانی کے ساتھ خون مل جاتا ہے۔ چاہے آنکھ میں کسی بیماری کی وجہ سے ہو یا کہیں اور۔ پھر اس مسئلے کے متصل وہ یہ لکھتے ہیں

وکذا کل ما یخرج بوجع ولو من اذن وثدی وسرۃ ظاہرہ یعم الانف اذا زکم۔ (شامی: ج۱، ص۳۰۵)

"یہی حکم ہر اس پانی کا ہوگا جو تکلیف کی وجہ سے نکل رہا ہو۔ چاہے کان سے نکلے یا پستان سے یا ناف سے۔ یعنی بظاہر اس حکم میں ناک بھی داخل ہے جب اسے زکام ہو۔"

سید طحطاوی کی مراد وہ صورت ہے کہ جب فلو کی قسم کا شدید زکام ہو جو ناک میں خراش بلکہ زخم ہو جاتے ہیں (ایسا زکام ہمارے علاقے میں کم ہوتا)۔

اگر کسی کو اس قسم کا زکام ہو کہ ناک سے بے اختیار خراش کا پانی بہتا ہو تو اس کا ناک کی ریزش کا اور حکم ہوگا۔ علامہ طحطاوی نے اسی صورت کا حکم بیان فرمایا ہے۔

بعض دفعہ مریض کو بے حد چھینکیں آتی ہیں اور ناک میں زخم ہو جاتے ہیں اور مسلسل ریزش بہتی رہتی ہے، اسے نماز پڑھنی بھی مشکل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے مداح پیروکار کیا مسئلہ بتلائیں گے؟ ظاہر ہے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ شخص اس وقت ایسا ہے کہ اسے ناک کی ریزش کے لیے الگ کپڑا رکھنا چاہیے۔ فاضل بریلوی اگر اس مسئلے پر غور فرماتے تو سید طحطاوی کی بات صحیح قرار دیتے اور اگر آپ غور فرماتے تو سمجھ سکتے تھے کہ فاضل بریلوی اور سید طحطاوی کے تقابل کی بات ہی بے کار ہے۔ زکام کی جو صورت ہم نے لکھی ہے وہ خود فاضل بریلوی کی اس عبارت کے تحت آجاتی ہے اور درست قرار پاتی ہے

''بالجملہ مجرد رطوبت کی مرض سے سایل ہو مطلقاً فی نفسہا ہرگز ناقض نہیں بلکہ احتمال خون وریم کے سبب وبہذا الامام ابن الہمام کی رائے اس طرف گئی ہے کہ مسایل مذکورہ میں امام محمد کا حکم وضو استحبابی ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ: ج ۱ ص ۳۷)

فائدہ: بعض لوگوں کے منہ سے سوتے وقت رال بہتی ہے۔ شامی نے ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ وہ اگر بدبودار بھی ہو تو ناپاک نہیں۔ (شامی: ج ۱ ص ۳۰۵)

فاضل بریلوی کی علم حدیث میں کمزوری:

تیسرا مایۂ ناز علمی مسئلہ:

اسی مقالے میں ایک عنوان ہے ''علامہ شامیؒ اور اعلیٰ حضرت''۔ اس کے تحت اس حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت پر بحث کی گئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اذان دی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان نہیں دی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ مستقل عنوان دے کر

مطلب هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الاذان بنفسه

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کی کہ

''جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان نہیں دی''۔

(شامی ج ا ص ۴۰۱)

دوسری بات شامی نے التحیات کے باب میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہے کہ معراج میں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کے وقت جو کلمات ادا ہوئے ان کی نقل التحیات ہے اور اسے تشہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دوشہادتوں کا ذکر ہے۔ توحید کی شہادت اور رسالت کی شہادت۔

چوں کہ اس جگہ ''درمختار'' میں لکھا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں''۔

اس لیے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے اس کا رد کیا ہے۔

بانه لا اصل لذالک۔

''اس بات کی کوئی اصلیت نہیں ہے''۔

انہوں نے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی التحیات میں یہی کلمات ادا فرماتے تھے جو آج تک ہم نماز میں پڑھتے ہیں۔

الفاظ التشهد متواترة عنه صلی الله علیه وسلم انه کان یقول اشهد ان محمد رسول الله وعبده

ورسوله.

"تشہد (التحیات) میں شہادت کے کلمات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے منقول ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے اشھـــد ان محمدا رسول اللہ وعبدہ ورسولہ"۔

پھر شامی تحریر فرماتے ہیں کہ تحفہ میں ہے کہ اگر (صاحب درمختار یا ان سے پہلے) شخص نے یہ بات کہی ہے تو التحیات کے بارے میں تو غلط ہے، البتہ اذان کے ،میں ہو سکتی ہے۔

نعم ان اراد تشهد الاذان صح لانه صلى الله عليه وسلم اذن مرة فى سفر فقال ذالک قلت وكذالک فى البخارى من حديث سلمة ابن الاكوع رضى الله عنه قال خفت ازواد القوم الحديث وفيه فقال صلى الله عليه وسلم "اشهد ان لا اله الا الله واشهد انى رسول الله" وهذا كان خارج الصلوة لما ظهرت المعجزة على يديه من البركة فى الزاد.

(شامی: ج ا ص ۵۱۰)

"ہاں! اگر اس کی مراد اذان میں کلمۂ شہادت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سفر میں اذان دی تو یہ فرمایا: اور میں کہتا ہوں اسی طرح بخاری شریف میں حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ لوگوں کے پاس کھانے کا سامان بہت ہی کم رہ گیا۔ (آپ نے جو کچھ لوگوں کے پاس تھا جمع فرمالیا، پھر دعا فرمائی، پھر فرمایا اس میں سے اپنے اپنے لیے لے لو۔ اتنی برکت ہوئی کہ ہر ایک نے اپنا توشہ دان بھر لیا) اسی حدیث میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشھد ان لا الہ الا

اللہ واشھد انی رسول اللہ۔ اور یہ (نماز میں نہ تھا) نماز کے باہر فرمایا، جس وقت آپ کے دست مبارک سے اس معجزے کا ظہور ہوا کہ کھانے میں برکت ہوگئی"۔

یہ سارا قصہ اور ساری عبارتیں تو اس لیے لکھی ہیں کہ آپ کے سامنے پوری بحث اور مسایل آجائیں۔

اب دیکھیے کہ فاضل بریلوی نے حافظ ابن حجرکی وہ عبارت اور فیصلہ جو شامی نے ص۱۰۴ پر لکھا ہے نقل کیا ہے، پھر شامی کی عبارت بہ حوالہ تحفہ جوص ۵۱۰ پر ہے نقل کی۔ پھر لکھا:

وقد اشار ابن حجر الى صحته.

(فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۳۶۸)

"اور ابن حجر (مکی) نے اس کی صحت کی طرف اشارہ دیا ہے"۔

(۱) یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ابن حجر مکیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ دونوں الگ الگ آدمی ہیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ علم حدیث میں بہت بلند پایہ شمار ہوتے ہیں تو اول تو ان پر ابن حجر مکی کی رائے نہیں چل سکتی۔

(۲) پھر ابن حجر مکیؒ نے بھی جو بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اشھد انی رسول اللہ فرمانا التحیات میں ہوا ہے تو غلط ہے اور اگر اس کی مراد اذان ہے تو صحیح ہے۔ یعنی وہ اس کہنے والے کی بات کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں فرمارہے ہیں نہ کہ اس روایت کے بارے میں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اگر وہ اس روایت کی صحت کے بارے میں فرماتے تو عبارت یہ ہوتی:

لقد صح انّهٗ صلّی اللهُ علَيْهِ وسلّم اذّن مرّةً فِیْ سفرٍ فقال ذالک.

"یہ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک بار اذان دی تو یہ فرمایا"۔

فاضل بریلوی نے اس فرق کالحاظ رکھا ہے، اس لیے ہوشیاری سے انہوں نے لفظ اشارہ کالفظ استعمال کیا:

''کہ ابن حجر مکی نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے''۔

پھر اس اشارے پر بنیاد رکھ کر فاضل بریلوی نے حسب ذیل نتیجہ نکال ڈالا ہے۔ فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

''کیوں کہ تحفۂ ابن حجر میں مذکورہ عبارت آگئی ہے، لہٰذا آں جناب کا خود اذان دینا ثابت ہوگیا اور اس اذان میں اشھد انی رسول اللہ آپ نے فرمایا ہے اور اشھد انی رسول اللہ فرمانا نص مفسر ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی اور امام نووی نے اس روایت کو جو تقویت دینی چاہی ہے اس سے تقویت پہنچتی ہے''۔

ارے بھائی! نص کا مفسر ہونا اور مجمل ہونا وغیرہ سب کا مدار اس پر ہے کہ اس کا نص ہونا یعنی حدیث ہونا تو ثابت ہو۔ اسے ثابت کرنے کے لیے خود (لفظ اشار) اشارہ سے فایدہ اٹھا رہے ہیں اور پھر لحظہ بھر بعد اسے نص مفسر قرار دے رہے ہیں۔

آپ حضرات نے یہ مثال اعلیٰ حضرت کی فقاہت ثابت کرنے کے لیے دی ہے، لیکن اس سے ان کی جلد بازی اور علم حدیث میں کم زوری کے سوا کوئی چیز ظاہر نہیں ہو رہی۔

آپ حضرات کے لکھنے کا مطلب تو یہ تھا کہ علامہ شامی نے ایک جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی'' کی رائے لکھ دی اور دوسری جگہ انہوں نے صاحب تحفہ کی رائے لکھ دی، پھر بھول گئے اور فاضل بریلوی نے اسے پکڑ لیا۔ علامہ شامیؒ کو ان کے لکھے ہوئے کے تحت قایل کر لیا۔ یعنی فاضل بریلوی کی دقت نظر، وسعت علم و حافظہ دکھانا چاہتے تھے، لیکن سب کچھ آپ کے سامنے ہے کہ کیا کیا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی دلیل کی بنیاد فقط ''اشارہ'' پر ہے جو نہایت کم زور ہے۔ اس لیے کہا جائے گا کہ علامہ شامیؒ کا رجحان اپنی جگہ قایم رہا اور سب کچھ دیکھ کر جو ان کی رائے تھی وہ انہوں نے ایک مستقل باب

میں ذکر کر دی تھی" مطلب هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الاذان بنفسه" اور وہاں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے بلند پایہ محدث کی بات لکھ دی تھی۔

یہ نہ سمجھیے کہ ہم اس بات کے قایل ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی یا اس کے قایل ہیں کہ آپ نے اذان دی۔ ہم تو صرف فاضل بریلوی کے انداز تفقہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

باب (۲)

مایۂ نازتحقیق، مسئلہ تقبیل ابہامین

''فقہی مقام'' رسالے میں ''تقبیل ابہامین'' کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے۔حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں تحریر فرمایا ہے:

''اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔اسی واسطے فقہانے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔''

(امداد الفتاوی ج ۵ ص ۲۵۹)

حضرت تھانویؒ کے فتوے پر فاضل بریلوی نے جو اعتراض کیے ان میں سے منتخب کر کے فقہی مقام میں لکھے گئے ہیں۔اس مسئلے میں ہم ان ہی کے پیش کردہ چیدہ نکات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

(۱) اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔

(۲) تقبیل ابہامین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

فاضل بریلوی کو اس کے ثبوت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث مع سند مفصل نقل کرنی چاہیے تھی۔اگر وہ صحیح ثابت کر دیتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ضرور رجوع فرما لیتے اور شامی سے بھی اختلاف نہ فرماتے۔مسئلہ واضح

ہو جانے پر فوراً رجوع کر لینا ان کی خاص عادت تھی۔ مگر اس کے برعکس فاضل بریلوی یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لکھتے ہیں:

"صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا (غلط ہے) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالا جماع کافی ہیں۔ اگر چہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں"۔

ان کی مکمل عبارت آگے آرہی ہے۔

فاضل بریلوی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری:

فاضل بریلوی نے اس مقام پر حضرت تھانویؒ کے علم حدیث سے واقفیت پر طعن کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا جیسا کہ تھانوی صاحب نے اس فتوے میں کہا ہے کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جا بجا مذکور ہے یعتبر به و لا یحتج به اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالا جماع کافی ہیں اگر چہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔"

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۳۴)

یہ عبارت فاضل بریلوی اور مقالہ نگار دونوں ہی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انہوں نے بڑی فاش غلطی کی ہے کہ یعتبر به کا ترجمہ یہ سمجھا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی یعتبر به کو اردو میں معتبر اور غیر معتبر کے ہم معنی سمجھ رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ علم حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ یعتبر به کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اصول حدیث میں ذکر کردہ "اعتبار" کے کام میں لائی جا سکتی ہے اور اسے بہ طور حجت و دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ کہنا مقصود ہو تا کہ معتبر ہے تو عربی میں "بہ" کے لانے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت زور کلام

میں بے سمجھے فرماتے چلے جارہے ہیں:
''احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں''۔

فاضل بریلوی کی اصول حدیث سے ناواقفیت کی تشریح:

آپ اصول حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقریب'' میں اور اس کی شرح ''تدریب الراوی'' میں امام حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصطلاح کو سمجھانے کے لیے مستقل عنوان قایم کیا ہے۔

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات والشواهد هذه امور يتداولها اهل الحديث (يتعرفون بها حال الحديث) ينظرون هل تفرد به راويه ام لا. وهل هو معروف اولا فالاعتبار ان ياتى الى حديث لبعض الرواة فيعتبره بروايات غيره من الرواة بسبر طرق الحديث ليعرف هل شاركه فى ذالك الحديث راو غيره فرواه عن شيخه اولا؟ فان لم يكن فلينظر هل تابع احد شيخ شيخه فرواه عمن روى عنه؟ وهكذا الى اخر الاسناد وذالك المتابعة فان لم يكن فينظر هل اتى بمعناه حديث اخر وهو الشاهد. فان لم يكن فالحديث فرد فليس الاعتبار قسما للمتابع والشاهد بل هو هيئة التوصل اليهما فمثال الاعتبار ان يروى حماد بن سلمة (مثلاً حديثا لا يتابع عليه عن ايوب عن ابن سيرين عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم فينظر هل رواه ثقة غير ايوب عن ابن سيرين فان لم يوجد) ثقة غيره

(لغير ابن سيرين عن ابی هريرة والا) ای وان لم يوجد ثقة عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم فای ذالک وجد علم) به (ان له اصلا يرجع اليه والا) ای وان لم يوجد شیء من ذالک (فلا) اصل له. كالحديث الذی رواه الترمذی من طريق حماد بن سلمه عن ايوب عن ابن سيرين عن ابی هريرة اراه رفعه "احبب حبيبک هونا ما" الحديث قال الترمذی غريب لا نعرفه بهذا الاسناد الا من هذا الوجه ای من وجه يثبت والا فقد رواه الحسن بن دينار عن ابن سيرين والحسن متروک. الحديث لا يصلح للمتابعات. (تدریب الراوی ص ۱۵۰-۱۵۱)

"پندرھویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جنہیں محدثین استعمال کرتے ہیں، جن سے وہ حدیث کا حال پہچانتے ہیں۔ وہ یہ غور کرتے ہیں کہ کیا راوی حدیث اس حدیث کو نقل کرنے میں اکیلا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ خود بھی معروف ہے یا نہیں؟ پس اعتبار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی (ایک) راوی کی حدیث کو اس کے علاوہ دوسرے راویوں کی حدیثوں سے ملا کر دیکھنا (اس طرح کہ) اس حدیث کی دوسری سندوں کو (تلاش کرکے) گہری نظر ڈالی جائے تاکہ یہ پتا چل سکے کہ آیا اس حدیث میں اس راوی کا کوئی اور بھی ساتھی (استاد بھائی) ہے جس نے استاد سے وہ حدیث روایت کی ہو یا نہیں ہے؟ اگر نہ ہو تو یہ دیکھیں کہ کیا یہ روایت کسی نے اس کے استاذ الاستاذ سے کی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر تک (اس کے استادوں اور ان کے ساتھیوں کو ایک حدیث کے لیے دیکھتے چلے جائیں گے) اس کا نام

اصول حدیث میں متابعت ہے۔ اگر اس حدیث میں کہیں بھی ساتھی راوی اوپر تک نہ مل سکیں تو پھر یہ تلاش کیا جائے کہ کیا اس حدیث کے مضمون کو کسی محدث نے دیا ہے یا نہیں؟ اگر ہم معنی حدیث مل جائے (چاہے الفاظ بدلے ہوئے ہوں) تو اس حدیث کو شاھد کہیں گے اور اگر ہم معنی حدیث بھی نہ ملے تو یہ حدیث فرد کہلائے گی۔ پس ''اعتبار'' متابع اور شاہد کا قسیم (ہر قسم) نہیں ہے بلکہ یہ متابع اور شاہد تک پہنچنے کے لیے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نام ہے۔ پس اعتبار کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حماد ابن سلمہؒ کوئی ایسی روایت بیان کر رہے ہوں کہ جس میں ان کا کوئی ساتھی عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وہ روایت نہ نقل کر رہا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے استاد ایوب کے سوا کوئی اور قابل اعتماد راوی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث لے رہا ہے یا نہیں؟ اگر ایوبؒ کے ساتھیوں میں ان کے سوا کوئی ثقہ راوی نہ ملے تو پھر ان کے استاد ابن سیرینؒ کے ساتھیوں میں کوئی محدث تلاش کریں گے جو حضرت ابو ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کر رہا ہو۔ ان میں سے جس طرح کبھی بھی حدیث پائی جا رہی ہو اس سے جان لیا جائے گا کہ اس حدیث کی اصلیت ہے، اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ورنہ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تو یہ حدیث بے اصل مانی جائے گی۔ جیسے ترمذی شریف کی روایت جو انہوں نے حماد بن سلمة عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ھریرة اراہ رفعه کہہ کر نقل کی ہے کہ ''اپنے دوست سے ہلکی ہلکی محبت رکھو'' الحدیث۔ امام ترمذیؒ نے اس پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (یعنی صرف اسی سند سے یہ حدیث قابل اعتماد نہیں) ورنہ یوں تو یہی حدیث حسن ابن دینارؒ ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں، لیکن حسن متروک الحدیث ہیں، ان کی روایت متابعت کے قابل نہیں ہوتی''۔

اسی طرح مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات والشواهد (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۴۷)

''پندرھویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں۔''

تدریب الراوی اور مقدمہ ابن الصلاح تو بہت مفصل کتابیں ہیں۔ بخاری شریف کے شروع میں جو مقدمہ ہے اس میں ہی ص ۱۱ پر دیکھ لیں کہ ''اعتبار'' کسے کہتے ہیں۔

میں نے یہاں تدریب الراوی کی پوری عبارت لکھ دی ہے اور اس کا مفہوم بھی، تا کہ طلبا (اور عوام) مستفید ہوں اور علا فاضل بریلوی کی علم حدیث میں بصیرت کا تماشہ دیکھیں۔ فاضل بریلوی اصول حدیث سے اس درجے ناواقف تھے جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مگر آپ انہیں پھر بھی امام مجتہد فی المذہب بنانے کی فکر میں ہیں۔ اپنے دل میں ذرا غور کیجیے کہ ایسا کم علم شخص کیا مفتی بھی ہوسکتا ہے؟ چہ جائے کہ وہ مجتہد فی المذہب بنے اور اپنے قیاس سے نئے نئے مسایل نکالے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

غرض حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اعلی حضرت اور آپ حضرات کی طرف سے یہ جواب ہونا چاہیے تھا کہ حدیث شریف کی سند یہ ہے اور یہ سند قابل احتجاج ہے۔ کیوں کہ اذان ایسا شعار نہیں ہے جو سرعام نہ ہوتا ہو اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کا عمل سیکڑوں، ہزاروں صحابہؓ اور تابعینؒ کے سامنے نہ ہوا ہو۔ اس لیے ان کے عمل کی روایت کرنے والے بہت لوگ ہونے چاہئیں اور آپ کو بہت سی روایتیں سامنے لانی چاہیے تھیں۔ نہ کہ صرف ایک حدیث جس کے بارے میں صدیوں پہلے سے محدثین صرف موضوع (من گھڑت) ہونے نہ ہونے ہی کی بحث کرتے رہے ہوں۔

ہمارے پاس مسند ابی بکر صدیقؓ ہے، جس میں آپ کی ساری روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں اذان کے وقت یہ کلمات کہنے اور انگوٹھا چومنے کی روایت ہی نہیں ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ولا یصح" یعنی یہ موضوع (کسی کی من گھڑت) ہے۔

(الموضوعات الکبری للملاعلی قاری: ص ۱۰۸)

کیوں کہ موضوع حدیثوں کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں لا یصح، لا یثبت یالم یصح یالم یثبت وغیرہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ موضوع ہے۔ لہٰذا یہاں لا یصح کے معنی یہ ہوں گے کہ ثابت ہی نہیں (کسی کی من گھڑت ہے) موضوع ہے نہ کہ ضعیف۔ دیکھیے مقدمہ "المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع" جو حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ (ص ۱۰، مطبوعہ حلب)

اس کے بعد ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

واورده الشيخ احمد الرداد فی كتابه موجبات الرحمة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام.

"یہ روایت شیخ احمد رداد نے اپنی کتاب موجبات الرحمۃ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ایسی سند سے دی ہے کہ جس میں مجہول راوی ہیں اور سند بھی منقطع ہے"۔

پھر حضرت ملاعلی قاریؒ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کو جائز لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ اس پر عمل کرے اور نہ اس پر عمل کرنے والے کو منع کیا جائے۔

پھر لکھتے ہیں:

غرابته لا تخفی علی ذوی النهی

(الموضوعات الکبریٰ ص ۱۰۸)

''اس روایت کی غرابت سمجھدار آدمی پر مخفی نہیں ہے''۔

یعنی چاہے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ روایت ہی ہو وہ بھی غریب ہے، کیوں کہ صحیح ترین احادیث مقدسہ میں مثلاً بخاری شریف وغیرہ میں یہ مسئلہ وضاحت سے آتا ہے کہ جب مؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے تو سننے والے بھی جواب میں اشھد ان محمدا رسول اللہ کہیں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا حدیث کی مشہور کتابوں میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اگر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام طحاوی اور ائمہ کرام یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے یہ حدیث مخفی رہ گئی ہے تو آپ اسے ظاہر فرمائیں۔ علم حدیث کسی کے گھر کا نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ کے سامنے جب دلیلیں آتیں تو وہ کہاں جاتے؟

اور چلیے! اب روایت اور راوی حضرات کے بارے میں آپ ہی لکھیں تا کہ اس میں اختلاف ختم ہو۔ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہوسکتی ہے کہ انکار کرے، بلکہ انگوٹھے نہ چومے۔ مگر فاضل بریلوی اجتہادی رنگ میں قیاس پر قیاس کرتے چلے گئے اور انہوں نے تکبیر میں بھی انگوٹھے چومنے جائز قرار دے، چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے حدیث کے ثبوت کی کوشش تو کی ہوتی۔

آنکھوں کے بارے میں ایک حدیث:

دیکھیے! ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو بینائی درست ہونے کے لیے دعا تعلیم فرمائی اور طریقہ یہ بتلایا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگیں اور یہ کلمات تعلیم فرمائے:

اللّٰھم انی اتوسل الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا

محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی اللھم فشفعه فیّ.

''اے اللہ میں تیرے دربار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں (دعا کرتا ہوں) اے محمد میں اپنے پروردگار کی طرف آپ کے ذریعے اور وسیلے سے اپنی حاجت روائی کے لیے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ! تو ان کو میرے حق میں مقبول الشفاعت فرما''۔

ان نابینا صحابی نے اس پر عمل کیا، ان کی بینائی لوٹ آئی۔

یہ حدیث متعدد معتبر کتب حدیث میں آئی ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

کہنا یہ ہے کہ اس حدیث پر علمائے دیوبند کا عمل ہے۔ کیوں کہ حدیث ثابت ہے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ بعد میں ان صحابی نے کسی اور ضرورت مند کو یہ دعا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد تعلیم فرمائی۔ لہٰذا علمائے دیوبند کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ بدعت ہے۔ جب کہ تقبیل ابہامین کی روایت کا حال جو کتابوں میں موجود ہے وہ ہم نے لکھا۔ اب آپ اس کی صحیح سند لائیں تاکہ مذکورہ بالا حدیث توسل کی طرح سب اس کے قایل ہوجائیں اور عمل کریں۔

محدثین وفقہا کا ضعیف حدیث سے استدلال کا قاعدہ:

آپ حضرات فاضل بریلوی سے لے کر اب تک یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ فضایل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل ہوسکتا ہے اور اسی قاعدے پر آپ کے دس گیارہ اختلافی مسایل کی بنیاد ہے۔ گویا بریلویت کی عمارت اسی پر اٹھائی گئی ہے، لہٰذا اس کا صحیح قاعدہ بھی یہاں ذکر کرنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے، تاکہ واضح ہوسکے کہ بریلوی علما اس کے استعمال کو عام کرکے بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین السیوطیؒ فرماتے ہیں۔ (ان کی عبارت اور ساتھ تقریبی ترجمہ لکھا جاتا ہے):

ويجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل في الاسانيد الضعيفة (ورواية ما سوى الموضوعات من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى) وما يجوز ويستحيل عليه تفسير كلامه او الاحكام كالحلال والحرام وغيرهما وذالك كالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقايد والاحكام) وممن نقل عنه ذالك ابن حنبل وابن مهدي وابن المبارك قالوا اذا روينا في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا.

''محدثین وغیرہم کے نزدیک ضعیف السند روایتوں میں سہولت دینا جائز ہے اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایتوں کے علاوہ ضعیف روایتوں کو بیان کرنا اور ان کے ضعیف ہونے کی تصریح نہ کرنا (بھی جائز ہے)، (بہ شرطے کہ) یہ ایسی روایتیں ہوں کہ جن میں حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر نہ ہو۔ اور یہ (نہ ہو) کہ یہ بات تو حق تعالیٰ کے بارے میں خیال کرنا درست ہے اور یہ بات محال ہے اور تفسیر کلام پاک اور احکام جیسے حلال وحرام وغیرہما کا اس سے تعلق نہ ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایت میں مثلاً قصے اور فضایل اعمال اور وعظ وغیرہ ایسی چیزوں کا ذکر ہو کہ جن کا تعلق عقاید اور احکام سے نہ ہو۔ جن حضرات سے یہ قاعدہ منقول ہے ان میں امام احمد ابن حنبلؒ، ابن مہدیؒ، ابن مبارکؒ ہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جب ہم کوئی روایت حلال وحرام کے بارے میں (پڑھاتے ہیں یا لکھتے ہیں) تو اس میں ہم سختی کرتے ہیں اور جب فضایل اعمال جیسی چیزیں بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی کرتے ہیں''۔

تنبیہ:

وذكر شيخ الاسلام له ثلاثة شروط احدها ان يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائي الاتفاق عليه الثاني ان يندرج تحت اصل معمول به الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط وقال هذان ذكرهما ابن عبدالسلام وابن دقيق العيد. (تدریب الراوی:ص۱۹۶)

''اور شیخ الاسلام نے ضعیف حدیث کو بیان کرنے کی تین شرطیں ذکر کی ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔لہٰذا جھوٹے راویوں میں سے اور ایسا راوی جس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو اور ایسا محدث جو فحش غلطیاں کرتا ہو جب اکیلا روایت کرے گا تو اس قسم کے سب راویوں کی روایت (اس شرط کے تحت) خارج ہو جائے گی۔حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے۔ضعیف کو قبول کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی معمول بہ حدیث اور قاعدے کے تحت آتی ہو۔تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے، بلکہ احتیاطاً (مثلاً گناہ سے بچنے کے لیے) اس پر عمل کرے۔شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہ دو شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کی ہیں''۔

مثلاً حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اتنی زور سے ہنسے کہ آس پاس کے لوگ ہنسی کی آواز سن لیں تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی۔(اب اس طرح سے نماز نہیں ہوگی)، کیوں کہ یہ مسئلہ حدیث مرسل صحیح میں آیا ہے اور باقی ضعیف روایات تو آٹھ دس ہیں، لیکن شافعی حضرات کہتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ یہ

مسئلہ کسی ایسی حدیث میں نہیں آیا ہے جو مرفوع بھی ہو اور صحیح بھی ہو۔
ایسی صورت میں جو شافعی حضرات مذکورہ قاعدے پر تقوے کی وجہ سے عمل کرنا چاہیں گے وہ کہیں گے کہ دوبارہ وضو کر لینا ہی بہتر ہے۔
یہی قاعدہ حدیث کے علاوہ اقوال ائمہ میں بھی جاری ہے۔ مثلاً مس مرأۃ (عورت) سے، مس ذکر سے، ماسۃ النار سے، نکسیر سے اور کہیں سے بھی خون نکل کر بہہ جانے سے اور بڑی قے سے وضو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اپنے اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کے قول پر جو ان کے نزدیک اپنے امام کے قول سے لامحالہ ضعیف ہوگا، احتیاطاً عمل کریں۔ (یہ مسئلہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب حضرات کے نزدیک مسلم ہے)۔
شافعی حضرات کے نزدیک خون کے نکلنے سے وضو نہیں جاتا اور یہی قول ان کے نزدیک قوی ہے، مگر شافعی مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے قول پر احتیاطاً عمل کر کے وضو کرے۔ ایسا کرنا اس کے لیے مستحب ہے۔
مس مرأۃ یعنی عورت کو ہاتھ لگ جانے سے چاہے وہ کوئی بھی ہو شافعی حضرات کے نزدیک مرد کا وضو جاتا رہتا ہے۔ حنفی حکیم اگر عورت کی نبض دیکھے تو اس کے لیے دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے۔ حنفی حکیم کے نزدیک حنفی قول قوی ہے اور شافعی مسلک ضعیف ہے، مگر احتیاطاً وضو کرے، تو یہ اچھی پسندیدہ بات (مستحب) ہے۔

فاضل بریلوی کی مبالغہ آرائی اور فریب دہی:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

> "تھانوی صاحب نے سب گل کر دیا کہ اذان میں تقبیل کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ حالاں کہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے"۔ (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام ص ۳۵)

گزارش یہ ہے کہ فاضل بریلوی کی ... سے تھی کہ وہ پر جوش کلمات لکھتے تھے،

طرح انہوں نے یہاں بھی لکھ دیا ہے۔ کئی سو سال سے قدوری، کنزالدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ کی ہر چہار جلد فقہ حنفی میں تمام مدارس میں دیوبندی ہوں یا بریلوی پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں تو یہ مسئلہ کہ اذان میں انگوٹھے چومے، کہیں نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ ہزار سے زیادہ کتب فقہ کون سی ہیں؟ ان میں سے آپ ہزار نہیں صرف ایک سو فقہ کی ایسی معتبر کتابوں کا حوالہ لکھ دیں جو متقدمین کی لکھی ہوئی ہوں۔ اگر یہ ری اختلافی دور سے پہلے کی ہوں۔ ورنہ ایسی مبالغہ آرائیوں کے فریب میں آنا چھوڑ دیں اور خود بھی فریب دہی سے تایب ہوں، لیکن بریلوی عالموں نے کسی قاعدے کو نہیں مانا، اپنی خواہش کو سب سے بڑا قاعدہ سمجھا۔

انہوں نے یہ ظلم کیا کہ

(۱) ایسی روایات کو جن کے ضعیف ہونے میں بھی کلام ہے ان کے بارے میں محدثین کے ایک بڑے طبقے کی یہ رائے رہی ہے کہ یہ ضعیف نہیں بلکہ موضوع (بے اصل، کسی کی گھڑی ہوئی) روایت ہے۔ بڑھا کر حدیث ضعیف کا درجہ دے دیا۔

(۲) پھر اس پر عملاً اتنا تشدد کیا گیا کہ لوگ اسے ہی دین سمجھنے لگے اور عقیدے کا جز (حصہ) بنالیا۔

(۳) اس پر عمل نہ کرنے والوں کی اس قدر مذمت کی کہ انہیں اسلام ہی سے نکال دیا اور (معاذ اللہ) گستاخ رسول کہنا شروع کر دیا اور امت میں تفریق کا بیج بو دیا۔

اب آپ ہی خدا کے حضور پیش ہونے کا خیال کر کے غور کریں کہ آپ دوسروں کو جس وجہ سے حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں، برے برے ناموں سے یاد کرتے ہیں، انہیں کافر سمجھتے ہیں، اس کی جڑ بنیاد ہے ہی کیا؟ صرف ایسی ہی کم زور ترین یا موضوع حدیثیں یا پھر احمد رضا خان صاحب کا قیاس واجتہاد۔

ایسی کمزور دلیل وقیاس پر اتنا بھروسا کرنا کہ اسے دین سمجھنے لگیں، کیسی بڑی غلطی ہے۔ انگوٹھے چومنے کی اس بحث میں آپ نے فاضل بریلوی کے چیدہ نکات میں

شامل کر کے ان کا پیش کردہ قاعدہ لکھا ہے کہ

لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لھا من دلیل خاص.

"ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی، کیوں کہ اس کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔"

(فقہی مقام: ص ۶-۳۵ بحوالہ بحر الرائق: ج ۲ ص ۱۷۶)

اس قاعدے سے آپ کو کیا فایدہ پہنچا؟ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھا چومنا مستحب ہے اور اس قاعدے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جو انگوٹھے نہ چومے، اس نے ترک مستحب کیا اور انگوٹھے نہ چومنے کو مکروہ کہنے کے لیے الگ خاص دلیل ہونی چاہیے۔ اس سے تو فاضل بریلوی نے حضرت تھانویؒ کے موقف کو تقویت دی ہے اور انگوٹھے نہ چومنے کو کراہت سے بھی نکال دیا ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ فاضل بریلوی بہ کثرت فقہی قاعدوں کا بے محل استعمال کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی تحریرات اور فتاوے سے ظاہر ہے۔

کم از کم اب بعد میں لکھنے والے صاحب کو تو سوچنا ہی چاہیے تھا کہ کیا لکھا جا رہا ہے۔ آپ فاضل بریلوی کی بات ثابت کرنے کے لیے مضمون لکھ رہے ہیں یا حضرت تھانویؒ کی بات ثابت کرنے کے لیے؟

باب(۳)

فاضل بریلوی کی ایک اور نادر تحقیق

سود کے جواز کا حیلہ:

''نوٹ'' جو رائج الوقت ہے، آپ نے اس پر جو لکھا ہے وہ پڑھا ہوگا۔ ذرا پانچ روپے یا دس روپے کا نوٹ لیجیے۔ دیکھیے اس پر لکھا ہے:

بینک دولت پاکستان

پانچ روپیہ

حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔

حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا۔

عثمان علی

گورنر

بینک دولت پاکستان

یہ ساری عبارت سات سطروں میں لکھی ہوئی ہے اور نوٹوں پر چھپی ہوئی ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آ رہا ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ اس سونے چاندی وغیرہ کے بجائے جو حکومت پاکستان کی تحویل میں ہے یہ جاری کیا گیا ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ خود مال نہ ہوا بلکہ مال کی رسید ہوا کہ سونا چاندی وغیرہ تو حکومت کے پاس ہے اور یہ خاص کاغذ (جو گورنمنٹی ہے) آپ کے پاس ہے۔

اسٹیٹ بینک یعنی مرکزی بیت المال کی مالیت مالی سال پورا ہوتے وقت دیکھی

جاتی ہے کہ اس کے قبضے میں کتنی دولت ہے؟ اتنے ہی نوٹ چھاپے جاتے ہیں جو رعایا کے ہاتھوں میں آتے ہیں اور گردش میں رہتے ہیں۔ اگر کبھی حکومت اس مالیت سے زیادہ نوٹ چھاپ بیٹھے تو افراط زر کا دور شروع ہو جاتا ہے اور حکومت کو اپنے سکے کی قیمت گھٹانی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ہم چند سالوں سے اس مصیبت کے شکار ہیں۔

قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی گہری فقیہانہ نظر تھی۔ انہوں نے نوٹ کو تمسک (مال کی رسید) قرار دیا۔ (اور عرفاً اس سے خرید و فروخت ایسے ہی کی جاتی ہے جیسے وہ خود روپیہ ہو، اس لحاظ سے انہوں نے اسے بہ منزلہ سونے چاندی کے قرار دیا)۔

اگر کسی نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو ایسے کاغذ سے جو پانچ روپے کے نوٹ کے برابر بڑا ہو، آٹھ آنے کی چیز بھی نہیں خرید سکتے۔ اس نوٹ کو کوئی محلے کی گلیوں کا دکان دار بھی نہیں لے گا۔ چاہے آپ اس سے کتنا بھی کہتے رہیں کہ بھائی نوٹ بھی کاغذ ہوتا ہے اور یہ بھی کاغذ ہے، تم یہ لے لو اور مجھے سودا دے دو۔ اس سے مزید معلوم ہوا کہ پانچ روپے اس کاغذ کی قیمت نہیں ہوتی۔ حکومت کی اس تحریری ضمانت ہی کی وجہ سے نوٹ کے ذریعے بے تکلف خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ اگر نوٹ ذرا بھی مشکوک ہو تو دکان دار کبھی نہیں لے گا۔

آپ آئے دن اسمگلنگ کی روک تھام کے احکام اور قصے سنتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ اسمگلر یہ نوٹ دوسرے ملکوں میں پہنچا دیتے ہیں، پھر وہ ملک ہمارے ملک سے ان نوٹوں پر لکھے ہوئے وعدے اور ضمانت کی وجہ سے سونا چاندی وغیرہ لیتا ہے، جس سے ہمارے ملک کی مالی جڑ بنیاد کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ صرف اسمگل کرنے والا گروہ نفع کماتا ہے اور پورا ملک اس کا نقصان اٹھاتا ہے۔ مزید سمجھ لیجیے کہ اگر نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو حج کے زمانے میں کسی حاجی کو پاکستانی سو کے نوٹ کے بدلے میں ایک ریال بھی نہ ملے اور وہ نوٹ کسی حکومت میں نہ چلے۔ حج کے موقع پر حجاج جو

پاکستانی سکے کی قیمت سعودی سکے سے کم دیتے لیتے ہیں اس کا مدار اس بات پر ہے کہ حکومت پاکستان خود اپنے سکے کی کتنی قیمت رکھتی ہے۔ پہلے زیادہ تھی تو پاکستانی سو روپے کے نوٹ کے ایک سو آٹھ ریال یا اس سے بھی زیادہ ملتے تھے۔ یعنی موجودہ صورت کے برعکس۔

ضمانت کی یہ عبارت ہر ملک کو لکھنی پڑتی ہے ورنہ اس ملک کا نوٹ کوئی ملک نہیں لے سکتا۔ سکے کی جس قیمت کا اعلان سکہ جاری کرنے والی گورنمنٹ کر دیتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں اسی حساب سے نوٹ کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

آپ نے دیکھا! یہ ہے ضمانت لکھنے کا اثر۔ تو آپ ہی سوچے کہ نوٹ خود مال ہوا یا رسید؟

یہ عبارت آج بھی لکھی جاتی ہے اور انگریز کے زمانے میں بھی لکھی جاتی تھی۔ دنیا کے تمام ملکوں کا اسی پر عمل ہے۔ اعلیٰ حضرت اگر کسی پڑھے لکھے آدمی سے پہلے پڑھوا لیتے کہ نوٹ پر کیا لکھا ہوا ہے تو انہیں ایسا اشکال نہ رہتا۔

آپ نے اخبارات میں یحییٰ خان کے زمانے میں نوٹ کینسل ہونے کے قصے پڑھے ہوں گے۔ لوگوں نے نوٹ بوریوں میں بھر کر بہا دیے۔ وہ بہہ نہ سکے تو صبح کو لوگوں کے لیے تماشے کا سامان بن گئے۔

یعنی جب کوئی گورنمنٹ اپنے کسی نوٹ کی ضمانت ختم کرنے کا اعلان کر دے تو نوٹ سوائے ردی میں جلانے کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ واضح مسئلہ بریلویوں کے "فقیہ اجل" اور "ابوحنیفۂ دوراں" جسے وہ امام لکھتے ہیں اور "مجدد مائۂ حاضرہ"، احمد رضا خان صاحب کی سمجھ میں نہ آیا۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھانا چاہا تو انہیں بھی اعلیٰ حضرت بریلویہ نے ایسی جلی کٹی سنائیں کہ اپنی عزت کے لیے وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا فتویٰ مبارکہ حضرتؒ کی

وفات کے بعد کہیں اعلیٰ حضرت بریلویہ کی نظر پڑ گیا۔ بس کیا تھا، اسی طرز سے ان کے درپے ہوگئے، کیوں کہ اس فتوے میں بھی نوٹ کو تمسک فرمایا گیا ہے۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ورفع درجاتہ کو'' آں جہانی'' لکھا۔ انہوں نے اس فتوے کا بھی مذاق اڑایا کہ کیا کاغذ کی دنیا میں خرید و فروخت نہیں ہوتی؟ یا مولوی صاحب کے گاؤں میں ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کاغذ بھی بکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

خان صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر بیچنے کا حق ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو دس روپے کا نوٹ دیتا ہے اور اس سے اس کے گیارہ روپے یا گیارہ سو روپے لیتا ہے تو اگر لینے دینے والے دونوں راضی ہیں تو یہ معاذ اللہ جائز ہے اور سود نہیں ہے۔

خان صاحب کہتے ہیں کہ آدمی نوٹ کو اسی طرح رکھتا ہے جیسے روپے کو اور مال کو۔ اسی طرح اسے جمع بھی کرتا ہے جیسے روپے کو اور اپنے مال کو۔ اس لیے یہ نوٹ ہی مال ہے۔ یہ کاغذ ہے اور کاغذ کی قیمت اس کا مالک جو چاہے مقرر کرے، اس لیے دس کے نوٹ کی ہزار روپے بھی قیمت لے سکتا ہے۔

(اس کا مطلب یہ ہے یعنی نوٹ کی مالیت مقرر کرنے کا حق حکومت کو نہیں ہے۔ نوٹ جس کے قبضے میں ہے اسی کو اس کی مالیت کم یا زیادہ مقرر کرنے کا حق ہے)۔

یہ ان کی دلیل ہے۔ اس سے ان کی فقہی گہرائی کا اندازہ کریں، کیسی بچکانہ باتیں ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ ان کے پاس بریلوی اعلیٰ حضرت کا فتویٰ پہنچا۔ انہوں نے اس کا جواب لکھ دیا۔ نوٹ کو اس پر تحریر کردہ رقم سے زیادہ کے نوٹوں کے بدلے لین دین کو انہوں نے سود قرار دیا۔ یہ بات اعلیٰ حضرت بریلویہ کو سخت ناگوار گزری۔ بپھے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ بہت ملمع کی ہوئی گالیاں لکھیں اور ساتھ ہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی۔ حضرت مولانا

عبدالحی صاحبؒ نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ شخص کج بحث ہے اور ہر حال میں سود کو جائز ہی قرار دینے کے درپے ہے، اس لیے انہوں نے اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا پر عمل کرتے ہوئے مزید بحث نہیں بڑھائی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے اسے اپنی فتح قرار دیا اور ایک سوا سو صفحات پر مشتمل طویل رسالہ لکھا، جس کا نام "کفل الفقیہ" رکھا۔ اس کے آخر میں بڑے دھڑلے سے لکھا کہ میرے دلایل کا جواب کوئی نہیں لکھ سکا ہے، لہٰذا مسئلہ یہی ہے کہ نوٹوں میں جتنا چاہو سود لو، اس کا نام نفع ہوگا سود نہیں۔

بریلوی علما کی طرف سے آج یہ فتویٰ بہ طور نمونہ اعلیٰ حضرت کے امام و مجتہد ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے، جسے لکھتے ہوئے ایک عالم دین کو شرم آنی چاہیے تھی، کیوں کہ اس فتوے پر کسی بریلوی نے بھی شاید عمل نہیں کیا۔ ان کا عمل اسی فتویٰ پر رہا ہے جو حضرت اقدس گنگوہی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما کا تھا۔ اگر کسی بریلوی نے احمد رضا خان کے فتویٰ پر عمل کر کے سود لیا ہے تو آپ حضرات اس کا نام پیش کریں، تاکہ لوگ اس فقیہ کے اس سود خور پیروکار کو جان لیں۔

ابھی ابھی آپ کے سامنے وہ عبارت آئی ہے جو نوٹ پر تحریر ہوتی ہے اور یہ کہ یہ خاص سرکاری چیز ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کاغذ بنا کر اس پر اس طرح سے چھاپنے لگے تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور اس پر غداری تک کا مقدمہ چل سکے گا۔ مگر احمد رضا خان صاحب کا اصرار ہے کہ نوٹ کی یہ قیمت لوگوں نے خود ہی مقرر کر لی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے ہیں کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بیچ سکتا ہے اور اس کے لیے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع اور مشتری دونوں اس پر راضی ہوں، تو اس کا کیا کہنا جس پر دورہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں"۔ (کفل الفقیہ، فتوی احکام قرطاس الدراہم ص ۱۷)

قارئین کرام! اعلیٰ حضرت بریلویہ کی حقیقت سے بے خبری ملاحظہ فرمالیں۔ کیا نوٹوں کی قیمت لاہور والے یا کراچی والے مقرر کرتے ہیں یا محلہ محلہ گاؤں گاؤں مقرر کی جاتی ہے یا حکومت مقرر کرتی ہے؟

اعلیٰ حضرت بریلویہ نے ایک طرف تو اسے محض کاغذ کا ایسا ٹکڑا بتلایا ہے کہ جس کی کوئی قیمت لوگ معین کرلیں، دوسری طرف اسی کتاب میں سرکاری چھاپ کی وجہ سے سرکار کی مقرر کردہ قیمت کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اسے معتبر مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ضرب سلطانی سرکاری چھاپ شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے۔ دیکھو! جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کے چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکے کے دس درہم تک نہ پہنچے اس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب تصریح ہے"۔ اعلیٰ آخر ما قال (کفل الفقیہ: ص ۱۷)

جب وہ ضرب سلطانی (سرکاری چھاپ) کو معتبر مان رہے ہیں تو ان کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ لوگ خود نوٹ کی قیمت مقرر کر لیتے ہیں؟ کیا ان کے زمانے میں یا جب سے رائج ہوا ہے کبھی بھی نوٹ بغیر سرکاری چھاپ کے ہوتا تھا؟ اور جب سرکاری چھاپ کو معتبر مان رہے ہیں تو اس پر جس عبارت کی چھاپ ہے اسے کیوں نہیں پڑھتے؟ وہ عبارت دیکھیں جو نوٹ پر صاف لکھی ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے یہ نقدین کی اسٹیٹ بینک میں محفوظ سرمایہ کی رسید ہے، اس کا نام "نوٹ" ہے۔ اسے کوئی کاغذ نہیں کہتا۔ اگر کسی کے نوٹ گم ہو جائیں وہ تھانے میں جا کر اپنے کاغذ گم ہونے کی رپورٹ درج کرائے گا تو لوگ اسے احمق کہیں گے۔

جب نوٹ ایجاد ہوا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ سے فتویٰ دریافت کیا گیا کہ نوٹوں پر زکات ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے تحریر فرمایا:

"نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک

کے۔ اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آ جائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جائے تو بہ شرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں؟ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین۔ ان میں زکوۃ نہیں، اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اکثر لوگوں کو مثل آپ کے شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوۃ نہیں دیتے اور کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط والسلام"۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے بہت مختصر فتوے میں نوٹ کی حقیقت بتلائی کہ وہ وثیقہ ہے اور یہ درست ہے۔ پانچ روپے یا دس روپے کے نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ لیں۔ پھر اس کی عرفی حیثیت بتلائی کہ وہ سونے چاندی کے سکے کی طرح قیمتی شمار ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نوٹ نقدین میں داخل ہے اور فلوس جوتا نبے کا سکہ ہے وہ تانبہ ہے۔ شریعت نے سونے چاندی کا اور حکم رکھا ہے اور دوسری دھاتوں کا اور حکم ہے۔ وہ تھوڑے، بہت کسی کے پاس ہوں تو ان پر زکوۃ نہیں۔ ہاں! اگر وہ بہ نیت تجارت ہوں تو ان کی مالیت کا حساب کیا جائے گا اور زکوۃ لگ جائے گی۔ پھر فرمایا نوٹ تمسک ہے یعنی نقدین کا اور یہ ایسا تمسک ہے جو سلطانی ہے، اس لیے اس پر زکوۃ ہوگی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ مثلاً کیم رمضان کو زکوۃ نکالتے ہیں، مگر اس دفعہ ایک دوست نے جو آپ سے روپیہ لیتا دیتا رہتا ہے قابل اعتبار ہو، کیم شعبان کو دس ہزار ادھار لے لیے اور رسید لکھ دی کہ عید کے چاند ادا کریں گے۔ جب کیم رمضان ہوئی تو اب آپ کا اپنا سرمایہ بیس ہزار نکلا تو زکوۃ کتنے کی دی جائے گی؟ بیس ہزار کی یا تیس ہزار کی؟ ایسی صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو تیس ہزار کی زکوۃ دینی چاہیے، کیوں

کہ جس دوست نے قرض لیا ہے وہ قابل اعتبار ہے سچا ہے۔ لینا دینا رہتا ہے۔ اب آپ پر ان دس ہزار کی بھی زکات واجب ہوگی جو آپ کے دوست کے پاس ہیں اور آپ کے پاس فقط ان کی رسید ہے، لیکن شریعت کی نظر میں وہ رقم محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک طرح آپ کے پاس ہی ہے۔

فتاوی رشیدیہ میں اس عبارت کے بعد "فقط، واللہ تعالیٰ اعلم" تحریر ہے اور یہ ہم نے آسان انداز میں اس مختصر فتوے کی تشریح بھی کردی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے سامنے نوٹ کے متعلق اور بھی سوالات آئے ہوں گے، کیوں کہ اس وقت وہ نیا نیا چلا تھا۔ اس فتوے کا جواب مکمل کرنے کے بعد آخر میں مزید تحریر فرمایا:

"اکثر لوگوں کو آپ کے مثل شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکات نہیں دیتے اور کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط والسلام"

یعنی اگر نوٹ کو فقط کاغذ کی حیثیت دی جائے تو وہ تو دس روپے سیر مل جاتا ہے۔ سیر بھر نوٹوں کو سیر بھر کاغذ کے برابر سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اور ان کی مالیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو یہ سخت غلطی ہے۔

بحمد اللہ فتویٰ یہی چلتا رہا ہے اور اسی پر ہر باعمل مسلمان کاربند رہا ہے۔ اگرچہ احمد رضا خان صاحب کے ماننے والوں نے بہت چاہا کہ ان کی یہ کتاب خوب بکے اور اس پر عمل ہو۔

اس فتوے کی نقل میں علمی خیانتیں:

بریلوی حضرات کے حوالوں میں علمی خیانت کی یہ قسم بہت ملتی ہے کہ جس سے ان کی مخالفت ہو اس کی پوری بات کبھی نقل نہیں کرتے۔ ان کے حوالوں کا اعتبار کرنا خود کو دھوکہ دینا ہے۔ آج کل ان کے پی، ایچ، ڈی تک اپنے رسایل میں اسی طرح کی دھوکہ دہی کر رہے ہیں۔

اس مضمون میں یہ کارروائی کی گئی ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتویٰ ناتمام نقل کیا ہے۔ فتوے میں آگے چل کر جو عبارت تھی وہ مطالبہ کرنے والے پر اثر انداز ہوسکتی تھی، اس لیے سعیدی صاحب نے اسے حذف ہی کرنا بہتر سمجھا۔

ہم ان کا فتویٰ مکمل نقل کرتے ہیں:

"استفتا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ نوٹ صد روپیہ مثلاً کسی بیچ و شرا کی وزیادتی پر جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: ہوالمصوب، نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپیہ کا کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے، بلکہ مقصود سو روپیہ کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بہ وقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دے یا سو روپیہ دے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا۔ حالاں کہ اگر مدیون غیر جنس بہ وقت ادا دے دے تو دائن نہیں لیتا ہے۔ بہ خلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خرید لے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بہ وقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا کہ وہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں، مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے۔ بہ خلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گو عینیت عرفیہ ہو۔ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے، کیوں کہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں، حقیقتاً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بہ وجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آ گئی ہو۔ پس ہر گاہ

نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ باب تفاضل میں اسی کی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔

غلام رسول سعیدی صاحب نے حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے فتوے کا حوالہ دیتے ہوئے آخری فقرے کو درمیان میں کاٹ دیا ہے، جو تسلسل کے ساتھ ہم لکھ رہے ہیں۔"فانما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوی"۔ اور اگر اس میں رباحقیقتاً نہ ہو تو شبہ ربوی سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ شبہ ربا باعث حرمت ہے۔

علاوہ ازیں جو بیع وشرا نوٹ میں تفاضل اختیار کرنے کا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بہ عوض کم روپیہ حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہوگا۔ مگر بہ طور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا۔ تہذیب الایمان میں ہے:

"انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیه غیر ما شرعها الله له فیصیر مخادعا لدینه کائدا لشرعه فان مقصوده حصول الشیء الذی حرم الله بتلک الحیلة او اسقاط ما اوجبه." انتهی.

پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاً جائز بھی ہو لیکن دیانۃ فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینیۃ اور شراء ما قل مما باع وغیر ذالک کی ممانعت مذکور ہے اور احادیث اس باب میں بہ کثرت وارد ہیں، جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے۔ پس حکم اس کا بعینہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ چوں کہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ لا جرم باب

فقہ ضل میں اسی کا اعتبار ہو گا۔ لا سیما دیانۃ فانھا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ. باقی رہا قول فتح القدیر کا "لو باع کاغذۃ مالف بجوز" انتھی.
پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمن قلیل سمجھا گیا، کیوں کہ اس کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ۔ ھذا ما سنح لی. واللہ اعلم بالصواب. وعندہ ام الکتاب۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ
تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی".

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کی دلیلوں کا جواب فاضل بریلوی نے لکھا ضرور، لیکن اگر بنیاد ہی میں فساد آ جائے تو چاہے بحث کو کتنا بھی طول دے دیں فساد ہی پر اس کی بنیاد رہے گی اور سب دلیلیں بے محل ہوں گی۔ اس لیے ان کی طنز وتعریض سے بھری ہوئی یہ طویل وعریض تحریر بالکل بے کار ہے اور ان کے سب حیلے حرام کو یعنی سود کو جائز کرنے کے لیے ہیں۔ فاضل بریلوی نے اس مقصد جلیل کے لیے ساری کتب فقہ میں حیلوں کی تدابیر ڈھونڈ ڈالیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"فاسا ۸۰ تا ۸۵، وہ حیلے یاد کیجیے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالے کے ۶۷ سے ۸۲ تک گزرے۔ یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا؟
سادسا: بھی چھ کیا ہزار حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور، اگر ان کو جمع کیجیے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہوں گے۔ سردست عالم گیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کی ساری کتاب اسی میں ہے"۔
(کفل الفقیہ ص ۱۵۳)

فاضل بریلوی نے اپنی بات کی پچ میں ائمہ کرام اور کتب فقہ کی اہانت میں بھی

ارے بھائی! حیلہ اس لیے نہیں ہوتا کہ اس پر عمل کیا جائے، بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اگر کوئی بے چارہ مصیبت میں پھنس گیا ہو اسے مصیبت سے نکال دیا جائے۔ ورنہ سب سے زیادہ باعمل عالم وہ ہوتا جو سب سے زیادہ حیلے باز ہوتا۔ بریلوی ملا ہو سکتا ہے اپنے امام احمد رضا کے کہے پر چلتے ہوں اور حیلوں پر عمل کو فضیلت کی بات جانتے ہوں؟؟؟

غرض اس پوری بحث میں آخر کتاب تک خان صاحب اسی پر اصرار کرتے رہے کہ پانچ رپے کا نوٹ ہزار میں کیوں نہیں بک سکتا؟ وہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے فتوے پر لکھتے ہیں:

''اول اولا: عینیت تو بار ہا گھر تک پہنچادی گئی۔ اس کی آڑ تو چھوڑ یے اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے۔ سادہ پرچہ تو ہزار رپے کو بک سکے، مگر جس پر پانچ رپے کا نقشہ وہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے۔ بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نو سو پچانوے اڑ گئے''؟

یہ ہے اس فقیہ کا سنجیدہ انداز فتویٰ نویسی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ابھی اور ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:

''ثانیاً: عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انہیں جانے دیجیے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اس سے یک سر نز رچکے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی اس تقدیر پر فرق کی تقریر سنا دیجیے۔ تی ہاں! سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ نا جائز ہے؟ ذرا بتایئے تو۔

حلّٰ صاف انصاف تو یہ ہے کہ علمائے مطلق کاغذ فرمایا ہے، جو سادہ لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے۔ یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نہ پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے۔ ہزار ہا حوادث نئے پیدا ہوتے

جاتے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ ان کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لیے جاتے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اس زمانے میں کب تھیں۔ لہٰذا یہاں کی مراد وزیر حکم نہیں۔

رابعاً: سنیے تو! جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ بے چارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا۔ اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں، یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا؟ یہاں کون سے روپے لایے گا جن کا بیچنا مقصود بتایے گا؟ محقق عالم کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے، نہ یہ کہ ایک ہی صفحے میں نسسی ما قدمت یداہ۔

خامساً: جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولا یکرہ بلا کراہت جائز ہے، کسی بحث میں فرمایا ہے بیع عینہ کی بحث میں۔ اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی؟ یہ تو پانچ ہی سطر میں نسسی ما قدمت یداہ ہو گیا۔ کیا اسی دن کے لیے جناب نے لا یکرہ چھوڑ کر اتنی لکھ دی تھی؟

اس کے بعد اسی خامسا میں پھر فاضل بریلوی اپنے دل کی آرزو لکھتے ہیں:

> "اب تو کہہ دیجیے سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں۔ آپ کی اسی انتہا پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالیٰ ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا۔ وللہ الحمد" (کفل الفقیہ: ص ۱۶۵-۱۶۳)

خان صاحب سے عرض ہے کہ جناب! آپ نے صرف ایک سو بیس ہی پر انتہا کر دی اور آپ کے لوگوں نے اسے چار سو بیس کے لیے استعمال کرنا چاہا، اسی لیے آپ کی کتاب کے اشتہارات بھی دیے گئے (جیسے کہ ایک معتبر اشتہار کی نقل آنے والی ہے)، لیکن نوٹ پر لکھی ہوئی قیمت سے زیادہ لینی حرام اور سود ہی رہی اور رہے گی۔ آج کے دور میں تو ان حضرات کی بات جن کی دلیلوں کا آپ نے رد لکھا ہے ہر خاص

وعام پر واضح ہوگئی ہے کہ وہ ہی صحیح تھی اور آپ کا خیال غلط ہی رہا کہ وہ آدمی آپس میں مل کر کے کسی نوٹ کی جو چاہیں قیمت مقرر کر لیں۔

''کفل الفقیہ'' کے آخر میں آپ ان الفاظ سے خود اپنے آپ کو اور اپنے ماننے والوں کو اپنی رائے کے ناقابل شکست ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں:

''رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سن لی جائیں اور باطل و بے اثر ثابت ہوں۔ یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کر کے ناکام رہیں۔ واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود۔ بفضلہ تعالیٰ اس مسئلے نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا''۔ (کفل الفقیہ: ص۱۶۷)

شروع میں گزر رہا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ فاضل بریلوی نے ان کی وفات کے بعد دیکھا اور وہ کل آٹھ سطروں کا ہے۔ دیکھیں فتاویٰ رشیدیہ ج۱، ص۱۴۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

مولانا عبدالحی صاحب کا فتویٰ ان کے فتاویٰ میں صرف اکتیس سطر کا ہے۔ ان بزرگوں کی عرق ریزی کا تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ فاضل بریلوی کا فتویٰ ایک سو اڑسٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں انہوں نے جا بجا قواعد فقہیہ کا بے محل استعمال کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور بڑی عرق ریزی فرمانے کے باوجود ان کی تحریر الالد الخصم کی تحریر سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اس ہمت کی داد دیجیے کہ نوٹوں کے تبادلے میں سود کے جواز کے لیے کتنی بے باکی سے انہوں نے کتاب الحیل استعمال کی ہے اور کس دلیری سے نوٹوں پر لکھی ہوئی قیمت کو لوگوں کی فرض کی ہوئی قیمت بتا کر انہیں ترغیب اور اجازت دے رہے ہیں کہ پانچ روپے کے نوٹ ہزار روپے میں لیے جائیں۔ العیاذ باللہ!

فاضل بریلوی نے اس رسالے کے آخر میں لکھا ہے:

فان یک صوابا فمن الله تعالیٰ وان یک خطاء فمنی ومن الشیطان. (کفل الفقیہ: ص ۱۶۸)

"تو اگر (یہ نوٹوں کے ذریعے سود خواری کے جواز کا فتویٰ) صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔"

جناب اہل حضرت بریلویہ! ہماری اس تنقیح وتنقید نے اس شک کو دور کر کے واضح کر دیا ہے کہ جناب کا یہ فتویٰ یقیناً نفس وشیطان کا دھوکہ ہی تھا، جس میں آپ گرفتار ہوئے۔

احمد رضا خان کا انجام قرآن وحدیث کی روشنی میں:

عن کعب بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من طلب العلم ليجاری به العلماء او ليماری به السفهاء او يصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار. (رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عمر مشکوٰۃ: ص ۳۴)

"حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ علم (کے زور) سے علماء سے جھگڑے گا یا کم سمجھ (جاہل) لوگوں سے جھگڑے گا یا اس لیے کہ لوگوں کو اس کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل کرے گا"۔

بریلوی احباب سے گزارش ہے کہ ہمارے اس سخت انداز بیان کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سود کے علاوہ کسی بھی گناہ کے لیے اتنی سخت وعید نہیں آئی جتنی سود کے بارے میں آئی ہے اور فاضل بریلوی کی بے خوفی کا حال آپ کے سامنے ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

(سورۂ بقرہ: ۲۷۹)

''پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا''۔

(ترجمۂ فاضل بریلوی)

اور جو شخص اس کے لیے دلیل بازی کرے اسے جواب دیا گیا ہے:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (سورۂ بقرہ: ۲۷۵)

''اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔'' (ترجمۂ فاضل بریلوی)

جو اس کے جواز کے لیے اپنی عقل استعمال کرے قیامت میں اس کی سزا معاذ اللہ یہ ہوگی کہ اس کی عقل سلب کر لی جائے گی۔ اسے دورے پڑتے ہوں گے، لوگ دور سے دیکھ کر پہچان جائیں گے اس شخص کو سود کی سزا مل رہی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (سورۂ بقرہ: ۲۷۵)

''وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔''

اس آیت مبارکہ کے حاشیے پر نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے سود کی خرابیاں لکھ دی ہیں اور آخر میں لکھا ہے:

''مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوار اور اس کے کارپرداز اور سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا وہ سب گناہ میں برابر ہیں''۔

قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں اس قدر شدید وعیدوں کے باوجود جو شخص

کتاب الحیل استعمال کر کے نوٹ کی حقیقت کو جان بوجھ کر بدلنا چاہے اور سمجھانے والوں کا مذاق اڑائے کیا اس کے متعلق اس خوش فہمی کی گنجایش ہے کہ اس کے دل میں کبھی تقوے کا گزر بھی ہوا ہے؟ مجتہد اور مجدد ہونا تو کجا، کیا اس کے کسی فتوے پر دوسرے علما سے پوچھے بغیر عمل کیا جا سکتا ہے؟

ہر مسلمان پر اپنا دین وایمان بچانا فرض ہے۔ ایسے لوگوں کو ماننے والوں کی باتوں کو پرکھا کیجیے، بغیر سوچے نہ مانیے اور انہیں مسلمانوں میں تفریق ڈالنے سے باز رکھیے اور اپنے واعظ سے یہ بھی پوچھ لیا کیجیے کہ مولانا صاحب! نوٹوں میں آپ کے نزدیک سود ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ صحیح مسئلہ بتائے کہ سود ہوتا ہے تو پوچھیے کہ جو شخص نوٹوں میں سود کو جائز کہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جو آدمی صاف بات کرے اور اسے حرام کہے اور جائز کہنے والے کو یہ کہے کہ اس نے غلطی کی، اس کی بات سنیے ورنہ اسے چلتا کیجیے اور اپنا ایمان بچایئے۔

ہم نے گزشتہ سطور میں اس کتاب کے اشتہار کا ذکر کیا تھا، اب ہم اس کی نقل پیش کرتے ہیں۔

انجمن حزب الاحناف لاہور کے سابق مفتی وشیخ الحدیث جناب ابوالبرکات سید احمد (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) نے اس کتاب "کفل الفقیہ" کا اشتہار بایں الفاظ شایع کیا تھا:

> وہ "نوٹ" کے متعلق جملہ مسایل کو جائز طور پر خاطر خواہ نفع حاصل کرو اور سود نہ ہو۔ نیز گنگوہی اور مولوی (عبدالحی صاحب) لکھنوی کے فتووں کا رد"۔

ملاحظہ ہو حسام الحرمین حزب الاحناف صفحۂ آخر۔ (از مقدمہ رسایل چاند پوری، حاشیہ: ص ۸،۷)(۱)۔

(۱) یہ کتاب ابن شاہ اللہ الحق یزدانی قریب "تحفۂ نظریات دیوبند اکادمی" شایع کر رہی ہے۔ (ناشر)

جس مسلمان نے یہ کتاب پڑھی ہوگی لاحول بھی پڑھی ہوگی اور خدا نے اسے سود کی لعنت سے بچالیا ہوگا، لیکن بریلوی علما کا حال دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ خفیہ خفیہ اپنے عقیدت مندوں سے چھپا کر اپنے مجتہد کے فتوے کے سہارے سود کھا لیتے ہوں اور اسی کے اثر سے ان کے دل سے یہ خوف بھی جاتا رہا ہو کہ مرنے کے بعد خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ ڈھٹائی اور بے حیائی سودخوری ہی کا اثر ہو سکتی ہے۔

عن النعمان بن بشير قال قال النبي صلى الله عليه وسلم الحلال والحرام بيّن وبينهما امور مشتبهة فمن ترك ما شبه عليه من الاثم كان لما استبان له اترك ومن اجترأ على ما يشك فيه من الاثم او شك ان يواقع ما استبان. والمعاصي حمى الله من يرتع حول الحمى يوشك ان يواقعه.

(بخاری شریف: ص ۱۳ م ص ۲۷۵)

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حلال کھلی ہوئی چیز ہے اور حرام کھلی ہوئی چیز ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ تو جو مسلمان گناہ کی مشتبہ چیز چھوڑ دے گا وہ کھلم کھلا گناہ کی چیز تو ضرور ہی چھوڑ دے گا اور جو گناہ کی مشکوک چیز پر جرأت کر کے اس کا ارتکاب کرے گا قریب ہے کہ وہ اس گناہ میں بھی مبتلا ہو جائے جو واضح طرح گناہ ہو اور معصیتیں ایک اللہ کی چہار دیواری میں (سرکاری) چراگاہ کی طرح ہیں، جو آدمی سرکاری چراگاہ کے اردگرد (اپنے جانوروں کو) چراتا ہے تو قریب ہے (خطرہ ہوتا ہے کہ اس کا جانور) اس کے اندر چلا جائے"۔

عن وابصة بن معبد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يا وابصة جئت تسأل عن البر والاثم قلت

نعم قال فجمع اصابعه فضرب بها صدره وقال استفت نفسک استفت قلبک ثلثا البر ما اطمانت اليه النفس واطمأن اليه القلب والاثم ما حاک في النفس وتردد في الصدر وان افتاک الناس.

(رواہ احمد والدارمی، مشکوٰۃ: ص۲۴۲)

"حضرت وابصہ ابن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے سینے پر ماریں اور ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ سے پوچھا کرو، اپنے دل سے پوچھا کرو۔ یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ نیکی (اور بھلائی) وہ ہے جس پر تمہارا نفس اور تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ (اور برائی) وہ ہے، جس سے تمہاری روح اور تمہارا دل تردد اور دھکڑ پکڑ محسوس کرے، چاہے لوگ فتوے دیتے رہیں"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بخاری شریف میں ہے:

لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاک في الصدر (بخاری: ج۱ص۶)

"بندہ تقوے کی حقیقت پر اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ چیز نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتی ہو"۔

وقال حسان بن ابی سنان ما رأيت شيئا اهون من الورع دع ما يريبک الى ما لا يريبک

(بخاری شریف: ج۱ص۲۷۵)

"اور حضرت حسان ابن ابی سنانؒ نے فرمایا کہ میں نے تقوے سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جو چیز تمہیں شک کی لگے وہ چھوڑ دے اور وہ

اختیار کرو جس میں تمہیں شک نہ ہو۔"

اور دع ما یریبک الی ما لا یریبک حضرت سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۴۲)

یہ تو حرام صریح اور سود کا مسئلہ ہے، جس کے گواہ اور لکھنے والے سب پر لعنت آئی ہے۔ والعیاذ باللہ!

حضرت مولانا عبدالحیٔ اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاوے اسی خوف وخشیۃ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں ہدایات پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر اہل سنت مسلمان کو اس گناہ سے بچائے۔ چاہے وہ بریلوی علماء ہی سے تعلق رکھتا ہو، بلکہ ہر مسلمان کو بچائے وہ جہاں بھی بستا ہو۔ آمین!

باب(۴)

بریلی اور بدایوں کے علما کی
حضرت نانوتویؒ سے اختلاف کی حقیقت

غلام رسول سعیدی صاحب نے فقہی مقام میں بدعت کی تعریف کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مضمون کے آخر میں ہم اس کے بارے میں کچھ عرض کریں اور اس سلسلے میں ان اختلافی مسایل کی حقیقت بھی ذکر کریں جن کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بہت اچھالا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بریلی اور بدایوں کے علمانے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں اختلاف شروع کیا؟ احمد رضا خان ابھی ۲۴ر سال ہی کے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ وفات پا گئے۔ فاضل بریلوی ان کے ہم عصر بھی نہیں ہیں۔ ان کے کچھ شاگردوں سے چھوٹے اور کچھ کے ہم عصر ہیں۔ پھر اختلاف میں وہ رنگ کیوں ہے جو معاصرین میں ہوتا ہے۔ اس کے لیے آپ کو دارالعلوم اور روح دارالعلوم حضرت نانوتویؒ کے مختصر حالات دیکھنے ہوں گے۔ یہ دارالعلوم سے شایع شدہ تاریخ سے لیے جارہے ہیں۔

تحریک آزادی میں دارالعلوم کا حصہ:

،،دارالعلوم دیوبند کی سیاسی تاریخ کا آغاز قیام دارالعلوم سے بھی نو دس سال پہلے سے سمجھنا چاہیے ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ میں انگریزی اقتدار سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دارالعلوم کے اکابر بالخصوص شیخ الطایفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (عمر ۴۲

سال) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (۲۵ سال) اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۲۹ سال) وغیرہم حضرات نے استخلاص وطن کے لیے جو سرفروشانہ جدوجہد فرمائی وہ تاریخ دارالعلوم کا صفحۂ اولین ہے۔

ضلع مظفرنگر کے مشہور تاریخی قصبے تھانہ بھون (۱) کے ایک اجتماع میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت امارت کر کے ان کو امیر منتخب کیا گیا اور اسی وقت انگریزی حکومت کے ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا اور آزادیٔ وطن کے لیے جاں باز مجاہدین کی ایک جماعت بنائی گئی۔ حضرت حافظ محمد ضامنؒ شہید کو جماعت مجاہدین کا قاید بنایا گیا۔ اتفاق سے ٹھیک اسی زمانے میں انگریزی فوج کے چند سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی بہنگیاں لدوائے ہوئے سہارن پور سے کیرانہ (۲) جا رہے تھے، جماعت مجاہدین کے لیے یہ بڑا اچھا موقع تھا، انہوں نے سواروں پر حملہ کر کے ہتھیار چھین لیے۔ انگریز افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں مارے گئے (۳)۔ اس کامیابی کے بعد مجاہدین نے قریب کی تحصیل شاملی پر حملہ کیا۔ تحصیل کو انگریزی فوج نے قلعے کی طرح مستحکم کر کے دروازہ بند کر لیا۔ مجاہدین چوں کہ کھلے میدان میں تھے اس لیے انہیں انگریزی فوج کی گولیوں سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ سوانح قاسمی کی

---

(۱) تھانہ بھون کا قدیم نام تھانہ بھیم تھا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں یہی نام لکھا ہے۔ کثرت استعمال سے تھانہ بھون کہلانے لگا۔ تھانہ بھون اتر پردیش کے شمال مغربی حصے کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ تھانہ بھون مظفرنگر کے ضلع میں واقع ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے اس کی آبادی ۵۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ آبادی کے گرد شہر پناہ بنی ہوئی تھی جس میں چار دروازے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کے ہاتھوں بری طرح برباد ہو گیا تو اب تو یہ اجڑے دیاروں میں شامل ہے۔ پانچ ہزار سے زیادہ کی آبادی نہیں ہے۔ اکابر علمائے دیوبند کے جہاد شاملی کی تحریک کا یہی قصبہ مرکز تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا وطن ہونے کی وجہ سے اس قصبے کو شہرت دوام حاصل ہوئی ہے۔ (حامد میاں)

(۲) کیرانہ ضلع مظفرنگر کی تحصیل ہے، پہلے یہاں کی تحصیل کا صدر مقام شاملی تھا۔

(۳) سوانح قاسمی، ج۲، ص۱۳۲

روایت کے مطابق اس نازک موقع پر حضرت نانوتویؒ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لے کر تحصیل کے پھاٹک کو آگ لگادی۔ مجاہدین آگ کے شعلوں ہی میں تحصیل کے اندر گھس گئے۔ بڑا سخت معرکہ پڑا، دست بہ دست جنگ کے بعد محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔

عین اس وقت جب انگریزی فوج کے سپاہی ہتھیار ڈال رہے تھے حضرت حافظ محمد ضامنؒ نے انگریزی فوج کی گولی سے جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو دوشنبہ (پیر) کے دن ظہر کے وقت پیش آیا(۱)۔

معرکۂ شاملی کی ۱۴ ستمبر کی یہ وہی تاریخ ہے جس میں انگریزی فوج دہلی میں داخل ہو کر لال قلعہ پر قابض ہوگئی تھی۔ بدقسمتی سے ہندوستان کے عوام اس وقت اپنی طاقت کو منظم نہ کر سکے اور نتیجتاً انگریزوں کا پورے ہندوستان پر تسلط قائم ہوگیا۔

''علمائے ہند کا شان دار ماضی'' کی روایت کے مطابق یہ معرکہ تین دن تک جاری رہا، جس میں مجاہدین کا بہت نقصان ہوا۔ تیسرے دن حضرت حافظ ضامنؒ نے سرفروشی کو کام میں لاکر تحصیل کا دروازہ توڑ دیا اور خود انگریزی فوج کی گولی سے شہید ہوگئے (۲)۔

---

(۱) ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کی مطابق حساب کی رو سے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء ہوتی ہے۔ اس تاریخ شہادت کا ماخذ حکیم ضیاء الدین رام پوری (وفات ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء) کا غیر مطبوعہ رسالہ مونس مجوراں ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ معرکۂ شاملی اور حضرت حافظ محمد ضامنؒ کی شہادت کے حالات متعدد حضرات نے لکھے ہیں، مگر کسی نے بھی اس واقعہ کے پیش آنے کی تاریخ نہیں لکھی۔ مونس مجوراں کا مخطوطہ درسۂ صولتیہ مکۂ مکرمہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ مصنف کا اصل مخطوطہ ہے۔ اس کی دریافت کا سہرا راقم سطور کے صدیق مکرم مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کے سر ہے۔ فریدی صاحب نے مونس مجوراں کے ضروری مقامات کے اقتباسات لے کر ان کو ماہنامہ ''تذکرہ'' دیوبند بابت نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع کرادیا ہے۔ مونس مجوراں میں معرکۂ شاملی کی تاریخ ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ لکھی ہے۔ اس تاریخ کی تائید سرسید اور انگریزی وقائع نگاروں کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ (سید محبوب رضوی)

(۲) جاں بازان حریت۔ ج ۴۔

انگریز وقائع نگار ہنری جارج کین کا بیان ہے کہ لڑائی صرف ایک دن جاری رہی، جس میں ۱۱۳ محصورین مارے گئے۔ لکھا ہے کہ

> ''لڑائی تمام دن جاری رہی، لیکن چوں کہ حملہ آوروں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ان کا پلہ بھاری رہا۔ انہوں نے بہت سی عمارتوں کے چھپروں میں جو احاطے کی دیوار سے باہر نکلے ہوئے تھے آگ لگادی۔ محصورین میں ۱۱۳ آدمی مارے گئے، جن میں ابراہیم خان سب کلکٹر بھی تھا''(۱)۔

انگریزوں نے شاملی پر حملے کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ چھ ماہ جیل خانے میں رہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کا وارنٹ گرفتاری جاری ہوا، مگر انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے اور دوسرے بہت سے حضرات روپوش ہو گئے۔

ان حضرات کے دلوں میں چوں کہ برطانوی سامراج کی طرف سے ایک تلخ جذبہ ہمیشہ موجود رہا، اس لیے اس جذبے کے تحت قیام دارالعلوم ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کے بزرگ ملکی تعمیر اور جنگ آزادی کی جدوجہد سے حقیقی دل چسپی اور ہم دردی اپنے سینوں میں رکھتے آئے ہیں۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ

> ''۱۸۵۷ء کے بعد صرف یہی جماعت تھی جس نے آزادی کے تصورات کو ہندوستان میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصور کا سب کو دیوانہ بنا کر چھوڑا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بہ قول اس تصور کے سب سے بڑے حامل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی قیادت میں تلوار اٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اترے۔ شاملی کی تحصیل فتح کی

---

(۱) بہ حوالہ حالات حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی مصنفہ شاہ الحق دیوبندی طبع کراچی ص ۵۳۔

آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ حالات دگرگوں ہو گئے۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

گو میدان جنگ میں شکست ہو چکی تھی مگر جماعت کا تصور آزادی فنا نہیں ہوا تھا۔ اس زمانے میں چھتہ کی مسجد میں ایک بزرگ نے انگریزوں کے تسلط اور ان کی غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر کہا تھا کہ ''انگریزوں کے بڑے گہرے پنجے جے ہیں، دیکھیے کس طرح اکھڑتے ہیں۔'' اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر المدرسین اول دارالعلوم دیوبند نے جو حضرت نانوتوی کے عزیز وشاگرد اور رفقائے خاص میں سے تھے، بڑے پرجلال انداز میں فرمایا کہ آپ کس خیال میں ہیں؟ وہ وقت دور نہیں جب ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا۔ رات کو سوئیں گے ان کی حکومت میں اور صبح کریں گے دوسری عمل داری میں''۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۵۰۶، ۵۱۰)

نیز تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے:

''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مزاج میں عجز وانکسار اس درجے کا تھا کہ علمائی مخصوص وضع میں جبہ ودستار کا کبھی استعمال نہیں کیا اور اپنی تعظیم سے بہت گھبراتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس نام کے علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسی خاک میں ملاتا کہ کوئی یہ بھی نہ جانتا کہ قاسم نامی کوئی شخص پیدا بھی ہوا تھا۔ جن امور میں نمایاں ہونے کا موقع ہوتا ان سے محو اور رہتے تھے''(۱)۔

۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی کے بعد مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیح کتب کی ملازمت کر لی۔ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء تک اسی مطبع سے وابستہ رہے۔ اسی زمانے میں دوسری مرتبہ حج کے لیے جانا ہوا اور اس کے بعد مطبع ہاشمی میرٹھ

(۱) سوانح قاسمی ص ۱۰۔

سے تعلق قایم ہوگیا، اس دوران میں درس وتدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا، مگر کسی مدرسے کی ملازمت کبھی پسند نہیں کی۔ سوانح مخطوطہ کے مصنف (حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی) نے لکھا ہے:

''یہ سب کو معلوم ہے کہ مدرسۂ اسلامی دیو بند آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اور کیا کچھ اس کا کارخانہ ایک چھوٹی سی سرکار، مگر ہرگز کسی چیز سے نفع نہیں اٹھایا۔ اوایل میں اہل شوریٰ نے درخواست کی کہ آپ بھی اس مدرسے کی مدرسی قبول فرمایے اور اس کے عوض کسی قدر تنخواہ، مگر قبول نہ فرمایا اور کبھی کسی طور اور ڈھنگ سے ایک حبہ تک کے لیے مدرسے سے روادار نہ ہوئے۔ حالاں کہ رات دن مدرسے کی خوش اسلوبی میں مصروف رہتے اور تعلیم میں مشغول اور اگر کبھی مدرسے کے قلم دوات سے اپنا کوئی خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسے کے خزانے میں داخل کر دیتے''(۱)۔

تحفظ اسلام کی خدمت اور اجرائے مدارس:

حضرت نانوتوی کا سب سے بڑا اور عظیم کارنامہ ہندوستان میں علوم دینیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے تعلیمی تحریک کا احیا اور مدارس دینیہ کے لیے وہ رہنما اصول وضع کرنا ہے جن پر مدارس دینیہ کی بقا کا انحصار ہے۔ ان کی توجہ اور ترغیب سے مختلف مقامات پر دینی مدارس جاری ہو گئے۔ چناں چہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، گلاؤٹھی ضلع بلند شہر، کیرانہ ضلع مظفر نگر، دان پور ضلع بلند شہر اور میرٹھ و مراد آباد وغیرہ میں مدارس قایم ہو گئے۔ جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور اپنے گرد ونواح میں علمی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے دوش بہ دوش عیسائیت نے بھی بڑا فروغ حاصل کیا تھا اور ہر ممکن صورت سے ہندوستان کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو عیسائی

(۱) سوانح مخطوطہ بہ حوالہ سوانح قاسمی: ج۱، ص۵۳۶

بتانے نئی زبردست کوشش کی گئی۔ کمپنی کی تائید واعانت سے ملک کے طول وعرض میں مسیحی تبلیغ وتنظیم کے آثار قائم کیے گئے اور انقلاب ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ کے بعد تو اس سلسلے کو بڑی وسعت ہوئی۔ پادری بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرنے لگے۔ حضرت نانوتوی نے دلی کے قیام کے زمانے میں جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو کر بازاروں میں وعظ کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچے اور پادری تاراچند سے مناظرہ کیا اور اس کو سر بازار شکست دی۔ اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام مولانا ابوالمنصور ناصر الدین علی دہلوی (وفات ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) سے ہوا، یہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/ اپریل ۱۸۷۵ء تا جمادی الثانیہ ۱۲۹۲ھ/ جولائی ۱۸۷۵ء کے درمیان کا واقعہ ہے۔

اس زمانے میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی دہلی میں مقیم تھے۔

میلہ خداشناسی شاہ جہاں پور:

انگریزی حکومت نے ایک خطرناک سازش یہ کی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اہمیت حاصل رہی تھی۔ انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو بڑھایا اور مسلمانوں کو گھٹایا۔ جب معاشی و سیاسی میدان میں ہندو آگے بڑھ گئے تو ان کو مذہبی برتری کی راہ سجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مناظرے کے لیے تیار کیا اور اس کے مواقع بھی پہنچائے گئے کہ ہندو مسلمانوں سے کھلے عام مناظرے کریں۔

شاہ جہان پور (یوپی) کے قریب چاندا پور گاؤں میں کے زمین دار پیارے لال یہ چیتی، پادری نولس کی سربراہی اور رابرٹ جارج کلکٹر شاہ جہان پوری کی تائید واجازت سے ۸ مئی ۱۸۷۶ء کو ایک میلہ خداشناسی منعقد ہوا، جس میں عیسائی، ہندو اور

مسلمان تینوں مذاہب کے نمایندوں کو بہ ذریعہ اشتہارات دعوت دی گئی کہ وہ ا
اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور مولوی الٰہی بخش رنگین
بریلویؒ کی تحریک پر حضرت نانوتویؒ، مولانا محمود حسنؒ، مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ اور مولانا
فخر الحسنؒ کے ہم راہ اس میلے میں پہنچے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کے علاوہ مولانا ا
المنصور دہلویؒ، مرزا موحد جالندھریؒ، مولوی احمد علی دہلویؒ، امیر حیدر دہلویؒ، مولوی
نعمان ابن لقمانؒ اور مولانا رنگین بریلویؒ بھی شریک ہوئے۔ ان تمام علما نے اس
میں تقریریں کیں اور ان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ حضرت نانوتویؒ نے ابطال تثلیث و شرک
اور اثبات توحید میں ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق سب مان گئے۔

ایک اخبار لکھتا ہے:

"۸ مئی ۱۸۷۶ء کے جلسے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے درس دیا اور فضائل اسلام بیان کیے۔ پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔ طول، عرض، عمق۔ سو تثلیث بہ طرح ثابت ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے اس کا رد اسی وقت کر دیا۔ پھر پادری صاحب اور مولوی صاحب تقریر کے معاملے میں بحث کرتے رہے۔ اس میں جلسہ برخاست ہو گیا۔ تمام قرب و جوار اور چاروں طرف شور غل مچ گیا کہ مسلمان جیت گئے۔ جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا اس کے ارد گرد ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اول روز کے جلسے میں جو اعتراضات اہل اسلام کے تھے ان کا جواب عیسائیوں نے کچھ نہ دیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے جوابات حرف بہ حرف دیے اور فتح یاب ہوئے"(۱)۔

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ میلہ پھر منعقد ہوا۔ اس مرتبہ منشی اندرمن

(۱) اخبار "خیر خواہ عالم" دہلی، مورخہ ۱۹ مئی ۱۸۷۶ء۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو، ج ۲ حصہ اول ص ۴۲-۱۳۴۱
بحوالہ "دی ٹریبیون" انگریزی از دیوان چند ص ۱۲۴۔

مراد آبادی اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانندجی (متوفی ۱۹۸۲ء/ ۱۳۰۱ھ) بھی شریک ہوئے۔ دیانندجی نے سنسکرت آمیز ہندی میں تقریر کی۔ پادری نولس نے ایک دوسرے پادری اسکاٹ کو بھی بلایا تھا۔ حضرت نانوتویؒ کی تقاریر بحث وجود اور توحید اور تحریف پر ہوئیں اور نہایت کامیاب رہیں۔

اس مرتبہ علمائے اسلام کے قیام وطعام کے فرائض محمد طاہر موتی میاں نے انجام دیے۔ حضرت نانوتویؒ نے میلہ خداشناسی میں دونوں سال شریک ہوکر عیسائیوں کی سازش کو ناکام بنادیا۔ اس موقع پر پروفیسر محمد ایوب قادری (۱) نے مولانا احمد احسن نانوتویؒ کی سوانح میں لکھا ہے:

> "ایک بات یہاں خاص طور پر غور طلب ہے کہ میلہ خداشناسی شاہ جہان پور اعلان واشتہار کے ساتھ دو سال منعقد ہوا اور اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کو چیلنج کیا گیا تھا۔ شاہ جہان پور سے بریلی اور بدایوں بالکل قریب اور متصل اضلاع ہیں، مگر اس میلے میں علمائے بدایوں وبریلی کی کسی دلچسپی کا سراغ نہیں ملتا" (۲)(۳)۔

(۱) پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم نے تصنیفی خدمات خصوصاً شخصیات اور تاریخ پر انجام دی ہیں۔ موصوف کی علمی و دینی خدمات کو دیکھتے ہوئے بریلوی مکتبۂ فکر کے پاکستانی کارندوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ بھی "قادری" ہیں ان کو "بریلوی" کہا، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ موصوف دیوبندی مسلک کے علمی آدمی تھے۔ ان کے خاندان کے لوگ آج بھی کراچی میں نہایت اعلیٰ عہدوں پر موجود ہیں۔ (شبلی)

(۲) محمد طاہر موتی میاں کو مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے شاہ مدن شاہ آبادی (وفات ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۴ء) کی اولاد میں سے بتایا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ موتی میاں مولوی مدن (محمد الدین) وفات ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء کے پوتے تھے۔ موتی میاں بن مولوی عبداللہ امین بن مولوی نظام الدین امین بن مولوی محمد الدین عرف مولوی مدن (ملاحظہ ہو تاریخ شاہ جہان پور [illegible] میاں [illegible] الدین ص ۲۷ [illegible])

(۳) [illegible] محمد احسن ص ۲۲۱۔

[illegible] سے شاہ جہان پور کا فاصلہ سو میل سے زائد ہے۔ علمائے بدایوں وبریلی [illegible] کے بجائے ان کا مسنون [illegible] علمائے بدایوں وبریلی نے علمائے دیوبند سے اختلاف کی بنیاد ڈالی۔ (حامد میاں)

مناظرہ رڑکی:

شوال ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علمائے کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۷ء میں واپس ہوئے۔ واپسی میں جدہ سے حضرت نانوتویؒ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ وطن آکر طبیعت کسی قدر سنبھل گئی مگر مرض رفع نہ ہوا۔ اسی سال شعبان ۱۲۹۵ھ/ اگست ۱۸۷۸ء میں رڑکی سے اطلاع ملی کہ پنڈت دیانند جی یہاں پہنچے ہیں اور مذہب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ مولانا نانوتویؒ باوجود کم زوری اور بیماری کے رڑکی پہنچے۔ ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے گفتگو ہوجائے مگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور رڑکی سے چلے گئے۔ حضرت نانوتویؒ کے ایما پر حضرت مولانا فخر الدین گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے عام جلسوں میں تقریریں کیں اور پنڈت جی کو چیلنج کیا۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے جلسۂ عام میں ان کے اعتراضات کے جواب دیے اور استقبال قبلہ کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے(۱)۔

اس کے بعد پنڈت جی میرٹھ پہنچے۔ انہوں نے وہاں بھی وہی انداز اختیار کیا۔ مسلمانان میرٹھ کی درخواست پر حضرت نانوتویؒ میرٹھ تشریف لے گئے۔ پنڈت جی نے وہاں بھی گفتگو کرنا منظور نہ کیا۔ مجبوراً حضرت نانوتویؒ نے میرٹھ کے جلسۂ عام میں اپنی پرزور تقریر کے ذریعے سے اعتراضات کے جواب دیے۔

تحریک اصلاح عقد بیوگان:

عقد بیوگان کی ترویج بھی ان کا ایک عظیم الشان معاشرتی اور اصلاحی کارنامہ ہے۔ تیرھویں صدی کے آخر تک عقد بیوگان بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کی شناعت کو محسوس کرتے تھے، مگر اس کو ختم کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ حضرت سید احمد

---

(۱) ملاحظہ ہو انتصار الاسلام، مشمولہ مجموعہ قاسم نانوتوی ص ۳۰، ادارے مطبوعہ دیوبند ۱۹۵۲ء۔

شہیدؒ، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ، مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، مولانا محمد احسن نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مساعی جمیلہ سے عقد بیوگان کو خوب شیوع ہوا۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی بیوہ بہن کو جو عمر میں ان سے بہت بڑی تھیں اور بوڑھی ہو چکی تھیں، نکاح پر آمادہ کر کے اس قبیح رسم کو اس طرح توڑ دیا کہ اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہاں کبھی یہ رسم موجود بھی تھی۔

حضرت نانوتویؒ کی دو درجن سے زیادہ تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے جو اس وقت زیادہ تر زیر بحث تھے۔ ان کی تمام کتابیں کسی نہ کسی کے استفسار کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ منشی ممتاز علی (۱) مالک

منشی ممتاز علی:

(۱) منشی ممتاز علی ابن شیخ احمد علی میرٹھی اپنے زمانے کے مشہور خطاط تھے۔ نزہت رقم ان کا لقب تھا۔ فن خطاطی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے۔ ان کے لکھے ہوئے قرآن مجید صحت اور املا کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ منشی صاحب کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ منشی صاحب پہلے دہلی میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے مطبع احمدی میں کتابت کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد انہوں نے میرٹھ میں اپنا مطبع مجتبائی کے نام سے قائم کیا۔ حضرت نانوتوی بانی کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں جب منشی صاحب حج کے لیے گئے تو مطبع مجتبائی کے حقوق مولوی عبد الہادی مرحوم نے حاصل کر لیے۔ اگلے سال حج سے واپس آ کر انہوں نے ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں میرٹھ کے بجائے دہلی میں مطبع مجتبائی قائم کیا۔ ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں منشی صاحب نے مکہ مکرمہ ہجرت کا ارادہ کیا تو پانچ سو روپے میں مطبع مجتبائی دہلی مولوی عبد الاحد مرحوم کو فروخت کر دیا۔ مرزا غالب کے خطوط میں منشی ممتاز علی مرحوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ غالب کی عود ہندی کو سب سے پہلے انہوں نے مجتبائی میرٹھ میں چھاپا تھا۔
(سید محبوب رضوی)

قرآن کے آئیڈیل نسخے اور بریلویوں کا ایمان:

منشی ممتاز علی کے ہاتھ کا قرآن مجید کتابت کیا ہوا جو انجمن حمایت اسلام - لاہور نے شائع کیا تھا، جس کی تصحیح حضرت امام نانوتویؒ نے فرمائی تھی، اور وہ منشی صاحب کی کتابت کا وہ نسخہ جو دار التصنیف - کراچی نے شائع کیا تھا مملکت پاکستان میں قانوناً آئیڈیل نسخے ہیں۔ وزارت اوقاف و مذہبی امور میں جتنے رجسٹرڈ پروف ریڈر قرآن پاک کے ہیں، وہ ان ہی نسخوں کو سامنے رکھ کر تصحیح قرآن کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ جن میں ایک بڑی تعداد احمد رضا خان کے ماننے والوں کی ہے۔ ذرا غور فرمایئے ان کے اعلیٰ حضرت کے فتوے کی رو سے ان کا ایمان محفوظ ہے؟ (شریفی)

مطبع مجتبائی دہلی نے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں حضرت نانوتویؒ کی تصانیف کی اشاعت کا ایک پروگرام بنایا تھا۔ (از تاریخ دارالعلوم ج ۱، ص ۱۱۵ تا ۱۲۱)

آپ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں شاہ جہان پور کے میلہ خدا شناسی کا حال پڑھا اور یہ بھی پڑھا کہ اس میں علمائے بدایوں اور علمائے بریلی خاموش رہے۔ بس یہیں سے اختلاف کا آغاز ہوا۔ یہ اختلاف ''اختلاف حسد'' تھا، جو اختلاف نہیں ہوا کرتا بلکہ اس میں محض مخالفت ہوا کرتی ہے اور مخالفت بغیر الزام دیے نہیں چلتی۔ اس لیے آپ پر الزامات لگائے گئے۔ آپ کی عبارتوں کا مطلب بگاڑ کر لیا گیا اور تکفیری فتوے داغے گئے۔ انگریزوں نے اس صورت حال سے فایدہ اٹھایا اور حاسد علما انگریزوں کے جال کا شکار ہوئے، لیکن اکابر دارالعلوم دیوبند اپنی راہ پر لگے رہے۔

تکفیر کے لیے بریلوی ہر وقت تیار ہیں:

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ ہر بریلوی مولوی حضرت نانوتویؒ کے بارے میں برے الفاظ استعمال کرنے کے لیے بلکہ معاذ اللہ ان کی تکفیر کے لیے آپ کو ہر وقت تیار نظر آتا ہے، لیکن وہ ان کی حیات، ان کے کارناموں اور علمی مقام سے نا آشنا ملے گا۔ قارئین کرام کو غور کرنا چاہیے اور خود ہی اکابر دیوبند کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بریلوی حضرات کی کتابوں سے یہ موازنہ کرنا چاہیے کہ ان کی کوئی کتاب مشکل سے ایسی ملے گی جس میں اکابر دیوبند پر الزام تراشی نہ ہو اور انہیں برا ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش نہ کی گئی ہو اور (اس کے برعکس) اکابر دیوبند کی کتابوں میں بریلوی علما کا ذکر تک نہ ملے گا۔

قادیانی فتنہ اور دیوبندی خدمات:

یہی قادیانی فتنہ لے لیجیے۔ کتنا بڑا فتنہ تھا، اسے ختم کرنے کے لیے حضرت مولانا

انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ پھر ان کے شاگرد و عقیدت مندوں نے باقاعدہ مجلس احرار اور تحفظ ختم نبوت قائم کر لی۔

مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بہاول پور میں ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک مرزائی لڑکے سے مسلمان لڑکی کی شادی ہو گئی تھی۔ مسلمانوں نے فسخ نکاح کا دعویٰ کیا۔ کیس ہائی کورٹ میں چل رہا تھا۔ مسلمانوں کا موقف یہ تھا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں، نکاح درست نہیں۔ عدالت کے سامنے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے۔ عدالت ان سے بہت متاثر ہوئی۔ ان کا بیان لکھا، ان کے لیے علامۃ الدہر وغیرہ جیسے عظیم الفاظ لکھے۔ غرض شاہ صاحبؒ نے اور علمائے دیوبند نے دلائل کے انبار لگا دیے۔ اس اثنا میں وہ لڑکا مر گیا (بہاول پور میں یہ سنا گیا ہے کہ مرزائیوں نے اس لڑکے کو مروا دیا، بہر حال وہ جیسے بھی مرا ہو) اس کی موت کے بعد انہوں نے عدالت سے چاہا کہ تحقیق یہیں روک دی جائے، کیوں کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، لیکن عدالت نے کہا کہ کیس جاری رہے گا اور عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اب (اس تحریر کے وقت) ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں اس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سارے متوسلین جو احرار میں تھے مرزائیت کا مقابلہ کرتے رہے۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد حیات صاحبؒ فاتح قادیان جو آج کل ربوہ میں مسجد بنا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بسا رہے ہیں یعنی فاتح قادیان و ربوہ (مدظلہ) اور مولانا لال حسین اختر، چودھری افضل حق صاحبؒ مرحوم، ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم، شیخ حسام الدینؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، شورش کاشمیریؒ، مولانا تاج محمود صاحب لائل پوری، مرزا غلام نبی جاں باز اور خدا جانے کتنے جاں بازوں نے اپنی

زندگیاں اس خدمت کے لیے وقف کر دیں۔

۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تمام بریلوی علما کے پاس گئے اور انہیں ساتھ لے لیا۔

پھر ۱۹۷۴ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے جس کے امیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم نے تحریک کی قیادت کی، مسلمانوں کے ہر طبقے کو ساتھ لیا۔ ایک نہایت عمدہ دستاویزی ثبوت پر مشتمل کتاب مرزائیوں کے خلاف جمعیت علمائے اسلام نے لکھی، جو انہوں نے اسمبلی میں پڑھ کر سنائی اور ممبران اسمبلی کو ہم خیال بنایا۔ موجودہ مرزا دودن اسمبلی میں اور مفتی صاحب کی جرح سے لاجواب ہو گیا، سب نے اس کا یہ تماشہ بھی دیکھا۔ ورنہ ممبران اسمبلی مرزائیوں کی خرابیوں اور ان کے عقاید سے واقف نہ تھے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابنائے دارالعلوم اور وارثان علوم قاسمیہ ہی نے مرزائیوں کا ازاول تا آخر مقابلہ کیا اور یہ حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ شروع سے لے کر تا زہ واقعات تک دستاویزی ثبوت موجود ہے اور بریلوی علما یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی نبی آنے کے قائل تھے اور معاذ اللہ ختم نبوت کے منکر تھے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبارتوں کا الٹا مطلب لیتے ہیں۔ اپنا نامۂ اعمال محض عناد میں سیاہ کرتے ہیں۔ امت محمد یہ میں تفریق ڈالتے ہیں جب کہ کسی دیوبندی عالم کو آج تک ان عبارتوں سے یہ شبہ بھی نہیں گزرا کہ معاذ اللہ ان کا یہ مطلب تھا۔ اس کے برعکس ان کا نظریہ تو نظریہ عملی زندگیاں ختم نبوت کے لیے وقف ہو گئیں۔ حالاں کہ وہی عبارتیں دیوبندی بھی پڑھتے ہیں۔

دوسری طرف بریلوی علما کا حال بھی دیکھیے کہ وہ اس میدان میں بھی پیچھے رہے ہیں اور ان کا یہ کام رہا ہے کہ خادمان دین متین اور فدایان ختم رسالت کے بارے میں

برے الفاظ استعمال کریں یا ان کی تکفیر کریں۔

دیوبندی وصف

یہ فرق بھی آپ کو ہر جگہ ملے گا کہ بریلوی مولویوں کے جواب میں ان علما نے کبھی تکفیری زبان نہیں استعمال کی اور کبھی اپنے عوام کو بریلوی عوام یا علما سے ملنے سے نہیں روکا۔ کبھی بریلوی علما سے ملنے یا انہیں ساتھ ملانے یا انہیں عہدہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

پاکستان بننے کے بعد جامعہ خیر المدارس کا پہلا جلسہ ہوا۔ اشتہار چھپا۔ اس میں لکھا تھا کہ مستورات (عورتوں) کے لیے پردے کا انتظام ہوگا۔ اب جلسے کے دنوں میں تانگے پر اعلانات ہو رہے ہیں کہ آج فلاں مولوی صاحب کا بیان ہوگا۔ جس طرح کے اعلانات کیے جاتے ہیں۔ اب آگے آگے خیر المدارس والوں کا تانگہ ہے اور پیچھے پیچھے بریلویوں کا تانگہ اعلان کر رہا ہے کہ "اعلان سن رہے ہو، اشتہار پڑھا ہے؟ اس میں لکھا ہے مستو رات کے لیے خاص انتظام ہوگا اور دیوبندیوں کو چندہ دو؟ یہ لکھا ہے کہ مست اور شرابیوں کے لیے خاص انتظام ہوگا رات کے وقت" اب دیکھو کتنا غلط مطلب نکالا اشتہار لکھنے والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔

(خطبات صفدر: ج ۲، ص ۳۲۱)

باب(۵)

بدعت کسے کہتے ہیں؟
اوراس کی تعریف

غلام رسول سعیدی صاحب نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور فاضل بریلوی کا موازنہ بھی کیا ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ انبہٹہ کے رہنے والے تھے۔ (وہاں آم بہ کثرت ہوتے ہیں اس لیے اس کے نام کا پہلا جز انبہ ہے۔ انبہ بہ کثرت استعمال کی بنا پر انبہٹہ نام پڑ گیا)، یہ ضلع سہارن پور کا ایک قصبہ ہے۔

مولانا انبہٹویؒ کا تعارف:

آپ سہارن پور میں مدرسۂ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے (رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ورفع درجاتہما کلما سجا ساب)۔ آپ نے ابوداؤد شریف کی (جو صحاح ستہ میں ہے) شرح لکھی۔ اس کا نام "بذل المجہود" ہے۔ یہ شرح بڑے سائز پر پانچ جلدوں میں ہے۔ آخر عمر میں مدینۂ منورہ ہجرت کر گئے تھے اور ان کی تمنا پوری ہوئی، وہیں وفات پائی، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ جب بھی کوئی انہیں برا کہے خدا ان کے درجے بلند فرماتا رہے۔ آمین!

سعیدی صاحب اپنے مضمون "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں لکھتے ہیں

"مولوی خلیل احمد انبہٹوی نے براہین قاطعہ مصدقہ گنگوہی میں سنت و بدعت کا ایک فقہی ضابطہ بڑے فخر کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا

ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی ضابطے کا کئی وجہ سے احتساب کیا ہے۔ ہم انبہوی صاحب کا ضابطہ بیان کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے احتساب کا پورا حصہ پیش کریں گے"۔ (فقہی مقام: ص ۷-۳۶)

نقل فتوی میں سعیدی صاحب کی خیانت:

اس کے بعد غلام رسول سعیدی صاحب نے دونوں کی تحریرات نقل کی ہیں، مگر انہوں نے یہاں بھی وہی حرکت کی ہے جو حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے فتوے میں کی تھی کہ فتوی آدھا نقل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر بھی جو بدعت کی حقیقت سمجھانے کے لیے انہوں نے لکھی ہے آدھی نقل کی ہے۔ بریلوی علما کی یہی عادت ہے، اس لیے کسی صاحب علم کو کبھی بھی بریلوی عالموں کے حوالوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

سنت و بدعت کی بحث بریلویت کی جان ہے اس پر ہی بریلویت کی عمارت چنی گئی ہے اور ان کے انتخاب کردہ بہت سے مسایل کا مدار اسی پر ہے۔ یہ بحث پہلے پہل مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری اور مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کے درمیان چلی تھی۔ براہین قاطعہ کے ص ۲۸ سے یہ بحث شروع ہوئی ہے اور ص ۴۴ تک چلی گئی ہے۔

سنت و بدعت کی بحث کا آسان خلاصہ:

ہم اس بحث کا خلاصہ آسان کر کے لکھتے ہیں

مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں

"شکایت ثالثہ اگر مولوی شریف حسین وغیرہ یہ بات کہیں کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو حادث ہو وہ ضلالت ہے تو کچھ ان سے بعید نہیں، کیوں کہ غیر مقلد ہیں، لیکن اصحاب دیوبند جن کا مذہب تقلید ہو اور یہ کہتے ہوں کہ امام واحد کی تقلید کل مسایل میں واجب ہے۔ چنانچہ فتوی مولوی محمد قاسم صاحب اور انتصار الحق سے یہ بات ظاہر ہے۔ پھر یہ صاحب کس طرح

فرماتے ہیں کہ اجماع بعد قرون ثلاثہ کے بدعت ہے؟ یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلید شخصی کا تو قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہوا ہے۔ اپنے پیرابن پیر شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغۃ کو دیکھیں کہ وہ لکھتے ہیں۔

اَهْلُ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُوْنُوْا مُجْتَمِعِيْنَ على مَذْهَبٍ وَّاحِدٍ۔

''پس جب کہ چوتھی صدی تک تقلید شخصی پر مجتمع نہ تھے تو ظاہر ہوا کہ چوتھی صدی کے بھی بعد یہ مسئلہ وجوب کا حادث ہوا''۔

اور خود چوتھی صدی قرون ثلاثہ سے بہت بعد ہے۔ تو مابعد چہارم تو نہایت بعد زمانہ ہوا۔ اور تنویر الحق میں مولوی قطب الدین خان صاحبؒ نے قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے

انّ اهل السُّنة والجماعة قد افترق بعد القُرُوْن الثّلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ۔ الخ

یہ بات ہم کو مضر نہیں، کیوں کہ ہم بعض بدعت حسنہ کو واجب بھی کہتے ہیں اور بدعت حسنہ کا وجود فقط قرون ثلاثہ میں نہیں منحصر رکھتے، لیکن ان اصحابوں پر مشکل ہوگا''۔

سنت و بدعت کی پہچان کے لیے مفید ترین قواعد:

اس کے جواب میں حضرت (مولانا خلیل احمد) مہاجر مدنیؒ نے بدعت وسنت جاننے کے لیے مفید ترین قواعد تحریر فرمائے ہیں اور وہ ان کتابوں میں موجود ہیں جو مسلّمۂ فریقین ہیں یعنی بریلوی بھی انہیں تسلیم کرتے ہیں۔ ہم انہیں فائدہ کے لیے یہاں لکھتے ہیں:

(۱) قرون ثلاثہ یعنی صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے میں کسی چیز کے موجود ہونے اور نہ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے جواز کی دلیل اس زمانے میں پائی گئی ہو اور اس پر اس زمانے کے علمائے اعتراض نہ کیا ہو۔ ایسی چیز کو کہا جائے گا کہ اس کا ''شرعی وجود'' اس زمانے میں پایا گیا اور وہ سنت ہے اور جس کا وجود شرعی

اس زمانے میں نہ پایا گیا ہو وہ بدعت ہے۔

''شرعی وجود'' کا جملہ اصول فقہ میں بولا جاتا ہے۔ اصول فقہ کے علما ''وجود شرعی'' صرف اس چیز کا مانتے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلائی ہو اور آپ کے بتلائے بغیر وہ معلوم ہی نہ ہو سکتی ہو۔ اس میں عقل یا حواس کو دخل نہ ہو (جیسے طلوع فجر کے وقت نماز کا ہونا یا نہ ہونا یہ آپ ہی کے بتلانے سے معلوم ہوا ہے کہ خدا کے نزدیک اس وقت نماز ٹھیک نہیں ہوتی اور طلوع سے پہلے پڑھنی چاہیے یا پھر سورج بلند ہونے کے بعد پڑھیں)۔ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہے صراحتاً ارشاد فرمایا ہو یا اشارتاً ارشاد ہوا ہو یا دلالتاً۔ (سمجھ میں آ رہا ہو، جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ کو اُف نہ کہو۔ اس سے دلالتاً صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جب اُف کہنا بھی جائز نہیں تو زیادہ تنگ کرنا گالی گلوچ دینا یہ طریق اولیٰ ضرور ہی منع ہوگا)۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے صراحت کے ساتھ یا اشارتاً یا دلالتاً جب کوئی چیز ثابت ہو جائے گی تو اس کا اور اس کی جنس کا وجود شرعی ثابت ہو جائے گا۔ چاہے وہ یا اس کی جنس اس زمانے میں وجود میں نہ آئی ہو۔ (جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیعوں اور خوارج کے وجود کی خبر دی اور ان کا حکم بتلایا، یا حضرت امام مہدی کے وجود کی اور نزول عیسیٰ علیہما السلام کی خبر دی اور اس وقت کے حالات اور احکام بتلائے وغیرہ۔ تو ان سب باتوں کا شرعی وجود پایا جا چکا ہے۔ اگرچہ بعض ظہور میں چودہ سو سال تک بھی نہیں آئیں۔ اسی طرح ہر مسئلے کو دیکھا جاتا ہے۔ ایک مثال سے ذرا اور واضح طور پر اسے سمجھ لیجیے کہ اگر کوئی شخص کسی سے زمین خریدتا ہے اس کی قیمت بھی دے دیتا ہے لیکن گورنمنٹ اس خرید و فروخت کو اس وقت مانتی ہے جب رجسٹری اور انتقال زمین ہو جائے۔ گویا رجسٹری سے پہلے گورنمنٹ کی نظر میں اس خرید و فروخت کا وجود نہیں ہوا اور اگر کسی طرح رجسٹری اور انتقال زمین لکھا گیا ہو تو سرکاری نظر میں اس خرید و فروخت کا وجود ہو جائے گا۔ چاہے ابھی قیمت ادا نہ

کی گئی ہو۔ اسی طرح شریعت مطہرہ کی نظر میں وجود دیکھنا پڑتا ہے)۔

(۲) یہ بھی سمجھ لینا اور یاد رکھنا چاہیے کہ جو شرعی حکم ہے اس کا وجود شرعی ضرور ہوگا۔ تو سب احکام شرعیہ کا شرعی وجود لازمی ہے۔ کیوں کہ حلت و حرمت کا حکم تو شارع علیہ السلام ہی کے ارشاد پر موقوف ہے۔ اس کے بغیر معلوم ہی نہیں ہوسکتا ہے۔ جس چیز کے جواز کا حکم ہوگیا وہ تمام جزئیات سمیت شرع میں موجود مانا جائے گا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہوگیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو ہی گیا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بہ وجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بہ وجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ ان قرون میں موجود بہ وجود خارجی ہوا یا نہ ہوا، وہ سب بدعت ضلالہ ہے۔

(۳) اور یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی چیز پائی گئی ہو اور کسی نے نکیر نہ کی ہو تو یہ جواز کی دلیل ہے اور نکیر کی ہو تو یہ نکیر عدم جواز کی دلیل ہے۔ (ورنہ خوارج، شیعہ، قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ بھی تو اس زمانے میں پائے گئے تھے، مگر ان پر نکیر ہوئی اور یہ سب فرقے باطل قرار دیے گئے)۔

لوگ عصر اور فجر کے بعد نفلیں پڑھ لیتے تھے مگر اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے نکیر فرمائی۔ اسی طرح کسی جنس (فقہی جنس مثلاً انسانوں یا جنات یا حیوانات کے لیے کسی معاملے کا) کا قبول ہونا اس کے جواز کی دلیل ہوگا اور نکیر اس کے عدم جواز کی دلیل ہوگی۔

(۴) یہ قاعدہ بھی یاد رکھیں کہ کسی چیز کے لیے کسی حکم کو ثابت کرنا قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس اس حکم کو ظاہر کرتا ہے۔ قیاس سے کوئی نیا حکم وجود میں نہیں آیا کرتا۔ پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ معلومات مجھے اساتذہ و اکابر سے ہوئی

ہیں۔ اس جوہر کو اس کتاب میں ضرور درج رکھتا ہوں۔

اس پر غلام رسول سعیدی صاحب نے آدھی بات نقل کر کے لکھ دیا:

''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا تعاقب: مولوی انبہٹوی صاحب نے اپنے اس کلام میں جواز شرعی کی دلیل کے وجود و عدم کا سنت و بدعت میں حصر عقلی کر دیا۔ پس استحباب اباحت اور کراہت تنزیہی ان تمام احکام کی نفی ہوگئی۔ کیوں کہ جس امر کے وجود کی دلیل شرعی پائی گئی وہ سنت ہے۔ استحباب اور اباحت کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہ رہی اور جس امر کے جواز کی دلیل شرعی نہ پائی گئی وہ بدعت و ضلالت ہوگا۔ پس کراہت تنزیہی کا رفع ہو گیا۔'' (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام ص ۳۷)

ارے بھائی! حضرت مہاجر مدنیؒ نے آگے چل کر خود ہی جواز اور عدم جواز کے ثبوت کے طریقے بھی لکھ دیے ہیں کہ شریعت میں کیا کیا ہیں۔ انہوں نے آخری طریقہ بھی لکھ دیا ہے جسے قیاس کہا جاتا ہے۔ دیکھیے نمبر ۴ میں یہ موجود ہے۔ یہ مجتہد کا کام ہوتا ہے کہ وہ امر کو وجوب پر محمول کرتا ہے یا استحباب پر۔ استحباب اباحت اولویت، کراہت تنزیہی اور اسائت کے احکام اسی طرح لگائے جاتے ہیں۔ آپ خود ان کی آدھی بات سن کر بول پڑے۔

مثلاً حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے فوراً بعد صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ تم سے کوئی بھی ہرگز عصر کی نماز بنوقریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے:

لَايُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْعَصْرَ اِلَّا فِىْ بَنِىْ قُرَيْظَةَ

بہت تاکیدی حکم تھا، مگر راستے میں جب نماز قضا ہونے لگی تھی تو کچھ صحابہؓ نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ ہم وہاں پہنچنے میں جلدی کریں نہ یہ کہ واقعی نماز قضا کر دیں اور کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ ہم تو وہاں جا کر ہی پڑھیں گے اور انہوں نے نماز دیر سے پڑھی۔ جب یہ واقعہ عرض خدمت کیا گیا تو آں جناب صلی اللہ

۔یہ اسلم نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں فرمایا۔صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے حکم کا مطلب اور لیا اور دوسری جماعتوں نے ظاہری الفاظ پر عمل کیا۔تو حدیث سے مطلب سمجھا اور اس کی درجہ بندی یہ مجتہد کا کام ہوتا ہے۔ایک ہی حدیث سے کوئی امام وجوب مانتا ہے اور کوئی استحباب۔

تقلید شخصی پر اعتراض کا جواب:

حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان قواعد کے بعد مولوی عبدالسمیع صاحب کے تقلید شخصی پر اعتراض کا جواب لکھا ہے۔

''یعنی تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلاثہ میں موجود ہے۔وجوہ خارجی جب بھی ہوا ہو اس سے ہم کو بحث نہیں۔

فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون.

''پوچھو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔''

اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور اس کے اطلاق کی وجہ سے اس میں تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں داخل ہیں اور دونوں مامور بہ ہیں۔مسلمانوں کو اختیار ہے تقلید شخصی کریں یا دوسری صورت پر عمل کریں۔لیکن آیت مبارکہ ولا تفرقوا اور حدیث کونوا عباد الله اخوانا سے اختلاف وافتراق کے وقت تقلید شخصی کے وجوب کا حکم ثابت ہے۔'' الخ

مولوی عبدالسمیع صاحب نے ص ۳۱ پر لکھا ہے کہ

''اختلاف اقوال کا یہ حال ہے کہ بدعت میں چند اقوال ہیں۔''

پہلا قول: جو بات قرون ثلاثہ میں ایجاد کی گئی اس کو سنت کہنا چاہیے اور بعد میں ایجاد ہوئی اس کو بدعت قرار دینا چاہیے۔جو چیز بدعت ہے وہ کل ضلالت اور سیئہ ہے۔یہ تذکیر الاخوان میں ہے۔

دوسرا قول: جو چیز بعد صحابہؓ اور تابعینؒ کے بعد نکالی جاوے وہ بدعت ہے اور نامشروع۔یہ مائۃ مسائل کے سوال چہل وہشتم میں لکھا ہے

"امرے کہ منقول نہ باشد از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہؓ و تابعین غیر مشروع است"۔

اس تعریف میں تبع تابعین کا ذکر نہیں کیا گیا۔

تیسرا قول: صحابہؓ کا فعل تو سنت میں داخل ہے، لیکن صحابہؓ کے بعد جو قول و فعل حادث ہو وہ بدعت ہے اور ضلالت ہے۔ چناں چہ مکتوبات مجددیہ جلد اول کے مکتوب ایک سو چھیاسی میں ہے:

"ہر چہ در دین محدث و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین او نہ بودہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اگر چہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمع کہ باو بستہ گرفتار عمل آں محدث مگرداناد۔"

اور اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے:

"علیکم بالاقتصار علی متابعة سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم والاکتفاء علی اقتداء اصحابه الکرام."

اب دیکھو! اس کلام سے تبع تابعین تو کیا خود مروہ تابعین بھی قابل اقتدا نہیں ہوں گے۔ پس اس قول کے موافق ان کا قول و فعل بھی بدعت واجب الاجتناب ہے۔

چوتھا قول: تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہؓ کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علما کے نزدیک بدعت کے معنی یہ ہیں:

البدعة ما لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر صحابہؓ بھی ایجاد کریں ان علما کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے۔ اس زمانے میں غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفائے راشدینؓ کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں"۔

(براہین قاطعہ: ص ۳۱)

"پانچواں قول واضح ہو کہ کافہ علمائے اہل تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ

ہونے کی بنیاد زمانے پر نہیں یعنی یہ بات نہیں جو کچھ خیر و شر زمانۂ قرون ثلاثہ میں ہو گیا وہ سب سنت ہے اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرون کے جو کچھ ہوا یا برا ہو وہ سب برا ہے اور مردود ہے"۔ (براہین قاطعہ ص ۳۹)

"سیۂ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

مَا اَحْدَثَ وَخَالَفَ كِتَابًا اَوْ سُنَّةً اَوْ اِجْمَاعًا اَوْ اَثَرًا فَهُوَ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَمَا اَحْدَثَ مِنَ الْخَيْرِ وَلَمْ يُخَالِفْ مِنْ ذَالِكَ فَهُوَ الْبِدْعَةُ الْمَحْمُوْدَةُ.

(بحوالہ سیرۃ حلبی و بیہقی)

مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دوسرے حصے مسمی بہ تذکیر الاخوان میں فرمایا ہے: جو مجتہد اس نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے"۔ (براہین قاطعہ ص ۴۳)

بدعت کی اس تعریف کو بریلوی علما نے پسند کیا ہے۔

مولوی عبدالسمیع صاحب کا مطلب یہ تھا کہ بدعت کی تعریف میں اتنے قول گئے ہیں اور سب ایک دوسرے سے جدا ہیں، لیکن حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ماتے ہیں کہ ان سب تعریفات کا مطلب ایک ہی ہے، کیوں کہ بدعت شرعیہ کی ب سے مختصر اور بحث) تعریف بعض نے یہ لکھی ہے کہ

"بدعت وہ محدث فی الدین ہے کہ زمان فخر عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود آپ کے زمانے میں نہ قولاً ہوا ہو نہ فعلاً نہ تقریراً نہ صراحتاً اور نہ اشارتاً"۔

اور ہم بتلا چکے ہیں کہ موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا شرعی وجود پایا گیا یعنی اس کی دلیل پائی گئی ہو۔ چاہے اس مسئلے کی کوئی صورت اس وقت تک سامنے نہ

آئی ہو اور اس زمانے میں جواز کی دلیل نہ ہونا عدم وجود شرعی ہے۔ لہٰذا دونوں تعریفوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ بعض حضرات نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے اس تعریف میں یہ بڑھا دیا ہے کہ بدعت وہ محدثہ (دین میں نیا ایجاد شدہ مسئلہ) ہے۔ جو خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں نہ پایا جاے۔ بعض علما نے اس سے بھی زیادہ وضاحت کی کہ وہ کام (اس کی دلیل کا ثبوت) زمانہ صحابہ میں نہ پایا گیا ہو۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس کام کا شرعی وجود فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوگا اس کا وجود شرعی قرن صحابہؓ میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

پھر ایک حدیث میں خود فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ...

الخ۔

"یعنی میری سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت، لازم پکڑو۔"

دوسری حدیث میں فرمایا:

مَا انَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ.

"یعنی جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔"

اور ظاہر ہے کہ بعض ایسے امور زمانہ خلفاؓ میں اور زمانہ صحابہ میں ظاہر اور شائع ہوئے کہ ان کا ظہور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہیں ہوا تھا۔ البتہ ان کی اصل اور دلیل موجود تھی اور یہاں اس کا موجود ہونا مراد ہے (اسی کا نام ہے وجود شرعی)۔ چاہے وہ قصہ یا معاملہ یا مسئلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش نہ آیا ہو۔

بعض علما نے صحابہ کرامؓ کے زمانے کے بعد دور تابعینؒ میں بھی اس چیز کا ہونے نہ ہونے کو سنت و بدعت کا فیصل قرار دیا اور بدعت کی تعریف میں اس زمانے

قید بھی بڑھادی۔ جیسا کہ عالمگیر یہ نے محیط سے نقل کیا۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمانہ تابعینؒ میں اجتہاد و قیاس ہوا اور قواعد و ضوابط بنائے گئے، جو کچھ زمانہ صحابہ میں مخفی تھا ظاہر ہو گیا، تو درحقیقت یہ سب اسی کا اظہار اور ضبط تحریر میں لانا یا یاد کرنا تھا جو پہلے موجود تھا۔ کوئی ایسی نئی چیز نہ تھی جو پہلے سے نہ ہو یا پہلے سے موجود کے خلاف ہو۔

اس تعریف میں بعض علمانے تبع تابعینؒ کے زمانے کا بھی اضافہ کیا ہے، کیوں کہ خیر القرون میں تبع تابعینؒ بھی شامل فرمائے گئے ہیں اور فی الواقع اس قرن (زمانے) میں ائمہ مجتہدینؒ نے قواعد شرعیہ کی بسط و تفصیل فرمائی اور اجتہاد و قیاس کے کلیات ایسے کامل طرح منضبط کر دیے کہ قیامت تک کو کافی ہوں۔ ان کے اختلاف سے اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ کا کام ظہور ہوا۔

پس جس کی دلیل ان قرون ثلاثہ میں نہیں وہ بدعت و ضلالت ہے اور جس کی اصل یہاں ہے وہ جائز و مقبول۔ الحاصل ہر چہار قول جو مؤلف (مولوی اسماعیل صاحب رام پوری نے) شاذ لکھے ہیں اور پانچواں قول جسے مشہور اور جمہور کا اور قول معتبر لکھا ہے سب کا ایک ہی مطلب اور ایک ہی معنی ہیں۔ سوائے اس کے کہ الفاظ جدا جدا ہیں۔ باقی معنی میں بال برابر بھی فرق نہیں۔

اسی طرح بدعت بہ معنی خاص اور بدعت بہ معنی عام میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ ان اقوال کو جدا جدا آپس میں معارض سمجھنا اور بدعت عام اور بدعت بہ معنی خاص کی تفریق کرنا سوائے کم سمجھی کے کچھ نہیں۔ گویا جو تعریف بریلوی علمانے پسند کی وہ بھی وہی ہے جو پہلے حضرات نے کی اور اکابر دیوبند کو اس سے اختلاف نہیں۔

مولوی اسماعیل رام پوری نے کہا کہ آپ بدعت کو منع کرتے ہیں اور منع کرنے کے لیے کوئی حدیث ہونی چاہیے۔ اس کا جواب حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ قرون ثلاثہ میں نہ ہونا۔ (یعنی کسی کے وجود شرعی کا نہ پایا جانا) ہی خود ممانعت کی دلیل ہے (کہ جو مسئلہ بعد کی پیداوار ہے وہ خود بدعت ممنوعہ ہو جائے گا)۔

یہاں تک تو براہین قاطعہ کی عبارتوں کا خلاصہ تھا۔ اب اصل بات عرض کرتا ہوں کہ مولوی اسماعیل صاحب نے اور دیگر بریلوی علما نے جس تعریف کو پسند کیا وہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمودہ ہے، انہوں نے اس کو ہی بنیاد بنا کر اس کا حوالہ دیا، لیکن افسوس کہ دانستہ اسے ناتمام نقل کیا، ہم مکمل ارشاد نقل کرتے ہیں:

وروی البیھقی باسنادہ فی مناقب الشافعی عن الشافعی رضی اللہ عنہ قال المحدثات من الامور ضربان احدھما ما احدث مما یخالف کتابا او سنۃ او اثرا او اجماعا فھذہ البدعۃ الضلالۃ والثانیۃ ما احدث من الخیر لا خلاف فیہ لواحد من العلماء وھذہ محدثۃ غیر مذمومۃ وقد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام شھر رمضان نعمت البدعۃ ھذہ یعنی انھا محدثۃ لم تکن واذا کانت لیس فیھا رد لما مضی ھذا اخر کلام الشافعی رضی اللہ عنہ.

(تہذیب الاسماء واللغات للامام النووی رحمۃ اللہ تعالی، الجزء الاول من القسم الثانی حرف الباء، ص ۲۲)

"امام بیہقی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب "مناقب شافعی" رضی اللہ عنہ میں نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ دین میں (دین کا کام سمجھ کر) نئی چیزوں کی ایجاد دو قسم کی ہے، ایک تو وہ محدث (نو ایجاد چیز) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یا اقوال صحابہؓ یا اجماع کے مخالف ہو تو یہ وہ بدعت ہے جو ضلالت (گمراہی) ہے اور دوسری قسم وہ ایسی نیکی کی ایجاد ہے کہ جس میں کسی ایک بھی عالم نے اختلاف نہ کیا ہو، یہ وہ محدثہ (نئی چیز) ہے جو بری نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

رمضان کے مہینے میں قیام (تراویح) کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بہت اچھی بدعت ہے یعنی یہ ایسی ایجاد ہے جو پہلے نہ تھی اور جب شروع ہوئی تو اس میں کوئی ردّ وقدح نہ کیا گیا۔ کیوں کہ اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس سے گزشتہ امور کا رد ہوتا۔ یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا آخری حصہ ہے۔"

اب آپ کی ان تمام چیزوں میں جنھیں آپ بدعت حسنہ قرار دیتے ہیں اس قاعدے کی زد سے یہ دیکھنا پڑے گا کہ جب وہ ایجاد ہوئیں تو کیا اس زمانے کے علما نے ان سے اختلاف کیا یا نہیں؟ اگر اختلاف کیا ہے تو آپ کے پیش کردہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کی رو سے وہ بدعت سیۂ ہونے سے نہیں بچ سکیں گی۔ اس تعریف کی رو سے جسے اعلیٰ حضرت کی زندگی میں پسند کیا گیا تھا آپ کی ساری ایجادات بدعت سیۂ قرار پائیں گی۔

کون اچھا اور صحیح راہ پر ہے:

ذرا یہ بھی غور کیجیے کہ اگر کوئی شخص جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ کی پیروی کرتا ہے اور آپ کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ آپ سے اچھا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اسے عشق رسول وصحابہ۔ اس دایرے سے نہیں نکلنے دے رہے تو اس کا عشق رسول کیا آپ سے زیادہ بڑھا ہوا نہیں ہے؟ یہی حال حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہی حال علمائے دیو بند کا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (سورہ ال عمران:۳۱)

اور امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں (ص۱۰۸۱ پر) اس مضمون کا ایک باب باندھا ہے اور احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو سنتوں پر پوری قوت سے عمل کرنا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّهَا النَّاسُ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِهٖ وَلَیْسَ شَیْءٌ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ. الحدیث (مشکوۃ شریف: ص ۴۵۲)

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو! جو چیز بھی تمہیں جنت کے قریب اور آگ سے دور کرسکتی ہے میں نے تمہیں وہ سب بتلادی ہیں اور اس کے کرنے کا حکم دے دیا ہے اور جو چیز بھی تمہیں آگ کے قریب اور جنت سے دور کرسکتی ہے اس سے میں نے تم کو منع کردیا ہے۔ الی آخر الحدیث

عَنْ غُضَیْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّةٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ. (رواہ احمد، مشکوۃ: ص ۳۱)

''حضرت غضیف ابن الحارث ثمالی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت اختیار کرتی ہے تو ضرور اتنی ہی سنت ان میں سے اٹھالی جاتی ہے۔ تو ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑے، بنائی چیز اختیار کرنے سے (بدعت سے) بہت بہتر ہے۔''

وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُهَا اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ. (رواہ الدارمی: ص ۴۵)

''حضرت حسانؒ سے روایت ہے کہ کوئی قوم جو اپنے دین میں بدعت اختیار کرلیتی ہے تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ ان میں اسی جیسی رائج سنتوں میں

سے اٹھالیتے ہیں، پھر وہ سنت ان میں قیامت تک نہیں لوٹاتے۔"

آپ لوگ جو بدعت حسنہ کا عنوان اختیار کر کے قیاسی اعمال کرتے ہیں ان میں تو اختلاف علما کی وجہ سے لازماً شک پیدا ہو جائے گا کہ یہ بدعت حسنہ ہیں بھی یا نہیں؟ لیکن جو عمل جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ائمۂ مجتہدین تک کسی نے کیا ہے اس کے بدعت ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اول تو یہ دیکھیں کہ علمائے دیو بند سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں یا بریلوی علما؟ پھر یہ غور کریں کہ آپ ان سے کیا معاملہ کر رہے ہیں؟ ان سے نفرت رکھنی چاہیے یا ان کی قدر کرنی چاہیے کہ وہ محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جان دیتے ہیں؟ اور آپ سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۂ کرامؒ کے درمیانی عرصے میں جو دین کے اعمال تھے یا ایسے اعمال جن پر علمائے امت کا اتفاق ہو گیا ہو (جیسے مدارس، خانقاہیں اور سرائیں وغیرہ بنانا) ان پر قایم رہیں اور ایسے اعمال نہ کریں جن میں علما کا اختلاف رہا ہو۔

بدعت کا تعلق دینی اعمال سے ہے:

بعض لوگ اس موقع پر یہ کہتے ہیں کہ ریل اور ہوائی جہاز اس زمانے میں نہ تھے۔ یہ بھی بدعت ہوں گے۔

بھائی بدعت کا تعلق تو دینی اعمال سے ہے۔ ریل اور ہوائی جہاز دنیاوی سامان میں داخل ہیں، دینی امور میں نہیں ہیں۔ اور بندوق توپ وغیرہ کی ترقی بلا اختلاف علما آلات جہاد کی ترقی میں داخل ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (سورۂ توبہ: ۶۰)

میں فرمایا گیا ہے کہ دشمن کے لیے جو تمہارے بس میں ہو تیاری رکھو۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا:

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ

''دیکھو طاقت پھینکنے کی طاقت ہے۔''

اور آپ نے یہ جملہ بار بار ارشاد فرمایا، اس لیے اس میں علما کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔

البتہ جو بدعت ضعیف حدیثوں سے بلکہ ضعیف سے بھی نچلے درجے کی حدیثوں سے ثابت کی جاتی ہے ایسی حدیثوں سے کہ جن کے بارے میں علما میں یہ اختلاف ہو کہ یہ حدیث بھی ہیں کہ نہیں؟ ایسی باتوں پر عمل کرنا آپ خود اپنے دل سے پوچھیں کہ کیسا ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے:

دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ

''جس چیز میں شک ہو وہ چھوڑ دیں اور وہ اختیار کریں جس میں تردد نہ ہو۔''

اور ارشاد ہے:

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ

''اپنے دل سے پوچھیں، چاہے مفتی فتوے دیتے رہیں۔''

تقوے کی حقیقت:

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ (ص۵)

''بندہ تقوے کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ چیزیں نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتی ہوں۔''

غرض بدعت کے حسنہ ہونے کے لیے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی آدھی بات نہیں بلکہ ان کا بیان فرمودہ مکمل اصول سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ نکتہ

ہے کہ کیا علما نے اس چیز کے بدعت حسنہ اور بدعت سیۂ ہونے میں اختلاف کیا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ علما میں اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اصل یعنی حدیث ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ورنہ کس کی مجال ہے کہ اختلاف کرے۔ عام لوگ حدیث کی علمی باریکیوں تک تو نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ آپ نے ابھی پڑھا کہ علمائے بریلی کے سب سے بڑے عالم احمد رضا خان صاحب کو بھی غلطی لگ گئی اور وہ یعتبر بہ کا مطلب کچھ کا کچھ کر بیٹھے، تو ایسے لوگوں کو مجتہد کا درجہ کیسے دیا جا سکتا ہے اور کسی بدعت کو ان کی خواہش پر کیسے حسنہ کہا جا سکتا ہے؟

بریلویوں کو غور وفکر کی دعوت:

اپنے دل میں سوچیں کہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ان مسایل کو جن کا ثبوت بھی پوری طرح نہیں ملتا کل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور ان علما کو جن کی پوری کوشش یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسی حالت پر قایم رہے، آپ ایسے مولویوں کے کہنے پر انہیں برا سمجھنے لگے یا کافر سمجھنے لگے۔ حالاں کہ وہ درحقیقت بے قصور ہیں بلکہ بلند درجات کے حامل ہیں۔ وہ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقامات پر فایز ہیں۔ انہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رہبری، دار العلوم دیوبند کے لیے اعزاز:

یہ دار العلوم دیوبند ہے۔ اس کی اس عمارت کی رہبری خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ جس میں کہ آج تک حدیث، تفسیر اور فقہ کے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ (یہ واقعہ بحمد اللہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں)

ان چیزوں کو قریب سے دیکھیں اور خدا کے لیے دیوبند اور بریلی دونوں جگہ

(دیکھیے المعجم المعدد لتالیف المجدد: ص۳۳ پر باقاعدہ چارٹ دیا گیا ہے۔ شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔ بار سوم، رجب ۱۳۹۷ھ جولائی ۱۹۷۷ء)

غرض فاضل بریلوی نے ان حضرات کی طرف سے اپنے متوسلین کے دل میں برائی بٹھانے میں اپنا پورا وقت صرف کر ڈالا، بلکہ پوری عمر اور پوری صلاحیت اور نام لے لے کر خوب الزامات لگائے اور تکفیر کی۔ حالاں کہ خود اپنے عقاید کا حال وہ تھا جو ہم فاضل بریلوی کی تفسیر پر تبصرے(۱) میں لکھ چکے ہیں۔

الزمات انبیا سے پُر کنزالایمان:

انبیائے کرام علیہم السلام کی اہانت، وحی کا محفوظ نہ ہونا، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا صدور، حضرت داؤد علیہ السلام پر معاذ اللہ ان کے کسی امتی کی بیوی سے خواہش نکاح کا الزام، حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ لکھنا کہ ان کے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے تھے اور نہ جانے کیا کیا بدزبانیوں اور غلطیوں سے ان کا ترجمۂ قرآن پاک بھرا پڑا ہے۔

ان کے ترجمہ اور تفسیر والا قرآن پاک لے لیں اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے ملاتے جائیں۔ جب ان کی تفسیر وترجمہ کا یہ حال ہے تو باقی تحریرات کا تو کیا کہنا؟؟؟

دوسری طرف اکابر دیو بند کا صبر وتحمل دیکھیے کہ انہوں نے فاضل بریلوی کی کہیں تکفیر نہیں کی۔ انہوں نے حتی المقدور ان کی طرف سے صرف نظر کیا اور کسی کسی نے ان کے اور ان کے رفقا کی باتوں کا جواب لکھا اور علمی انداز بیان قایم رکھا۔

فاضل بریلوی کی بدزبانی:

جب ان کی ہر کوشش ناکام گئی، دارالعلوم کا کچھ نہ بگڑا اور نہ ہی علمائے دارالعلوم

---

(۱) یہ کتاب اس جلد کے شروع میں موجود ہے۔

ان کے جواب میں لگے، نہ انہوں نے فاضل بریلوی کی جواباً تکفیر کی، بلکہ اپنے کام میں لگے رہے، علوم نبویہ کی اشاعت، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم، علوم نبویہ کی روشنی میں عملی زندگی گزارنا، ذکر الٰہی، جہاد جیسے بلند ترین کاموں کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے رہے اور ان کی عمر وعظمت کا بہت بڑا حصہ گزر گیا تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ انہوں نے دلائل کا دامن چھوڑ کر بے نقط سنانی شروع کر دیں۔ نمونے کے لیے فتاوی رضویہ کے صفحات ملاحظہ ہوں۔ آپ کو یہ تمیز کرنی مشکل ہوگی کہ یہ وہی شخص لکھ رہا ہے جسے ''فاضل بریلوی'' ''اعلیٰ حضرت'' اور ''مجدد'' کہا جاتا ہے یا لکھنے والا کسی ذہنی مرض کا شکار ہے؟ کیوں کہ متن میں الزامات، بہتان (من گھڑت الزامات) اور بالکل خانہ ساز تہمتیں ہیں اور حاشیے پر ضرب نمبر ا، ضرب نمبر ۲ وغیرہ ہے۔ بڑے سایز کے ان صفحات میں جناب باری عز اسمہ کی شان میں وہ باتیں لکھی ہیں جو کسی مسلمان کے خیال میں بھی کبھی نہ آئی ہوں گی، پڑھ لے گا تو یاد بھی نہ رہ سکیں گی اور تھوڑی بہت یاد بھی رہ جائیں گی تو وہ انہیں زبان یا قلم سے نہ دہرا سکے گا۔ والعیاذ باللہ!

یہ ہم آپ کے سامنے اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کی اپنی ذہنیت آپ کے سامنے آجائے۔ آپ یہ دیکھ سکیں کہ وہ کتنے ظالم شخص تھے اور آخرت سے کیسے بے خوف وغافل۔ ہمارا خیال ہے کہ خدا وند قدوس کی ذات پاک کے بارے میں اتنی خرافات لکھنے کی جرأت کسی کافر نے بھی کبھی نہ کی ہوگی اور کسی مسلمان نے بھی کسی کافر پر بھی ایسے الزامات نہ لگائے ہوں گے۔ یوں لگتا ہے کہ خود احمد رضا صاحب ہی کے دل میں خدا کے بارے میں ایسی باتیں آتی تھیں۔ وہی انہوں نے کچھ کسی کے نام لگا کر اور کچھ کسی کے نام لگا کر لکھ دیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ فاضل بریلوی کی کتاب المعتقد کے اس حصے کو بہ غور ملاحظہ فرمائیں جو پیش نظر ہے۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ متقی ہو، علم و دیانت کا حامل ہو۔ کیا یہ عبارت کسی

عالم کی ہو سکتی ہے؟ یہ نہ عالمانہ ہے نہ متکلمانہ۔ یہ سوقیانہ بلکہ ان سے بھی گری ہوئی زبان ہے۔ مگر یہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کی ہے۔ اس میں دلائل کے بجائے فحش کلامی ہے اور حاشیے پر ان ہی کی سرشت کے محشی نے ان الزامات کے حوالے کے بجائے فایدہ وضرب نمبرا، ف ضرب نمبر۲۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صریح الزامات ہیں۔ ان الزامات کے ثابت کرنے کے لیے کسی کی کوئی تحریر نہیں۔ یہ الزامات خان صاحب نے اپنے گھر میں بیٹھے مگن یا عالم خود فراموشی میں یوں ہی لکھ ڈالے اور ان لوگوں نے انہیں بے اصل جانتے ہوئے تفریق بین المسلمین کی غرض سے چھاپنا ضروری سمجھا۔ اس لیے ان پر فقط ف اور ضرب نمبر لکھ دیا۔

سادہ لوح لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ فاضل بریلوی کی یہ تحریر ان کی جلن، حسد اور کینۂ سینہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ بیماریاں جس دماغ میں داخل ہو جائیں اس کا فتور لا علاج ہوتا ہے اور اس کی ساری صلاحیتیں آفت زدہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسی بیماری کے اثر سے انہوں نے امت محمدیہ میں تفرقہ بندی کا بیج بویا اور ساری عمر اس کی آب یاری اور پرورش میں لگے رہے۔ والعیاذ باللہ!

فاضل بریلوی کا مجتہدانہ رنگ:

فتاویٰ رضویہ وغیرہ میں فاضل بریلوی کے مجتہدانہ رنگ کے نئے نئے شواہد موجود ہیں۔

حائضہ کے غسل کے پانی سے وضو درست ہے:

مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"(مسئلہ نمبر ۱۵۷) حائض و نفسا نے قبل انقطاع دم بہ نیت قربت غسل کیا، یہ پانی بھی قابل وضو ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ: ج۱، ص ۴۵۶)

یعنی اس کے غسل کا پانی (جس میں حیض و نفاس کے قطرے بھی مل سکتے ہیں) امام احمد رضا کا ماننے والا اگر اس سے وضو کرے تو وضو ہو جائے گا (پھر چاہے وہ اپنی

مسجد میں نماز پڑھائے)۔

رنڈی کا مکان:

فاضل بریلوی کے ملفوظات میں ہے

عرض: رنڈی کو مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس کا اس مکان میں رہنا کوئی گناہ نہیں۔ رہنے کے واسطے مکان کرایہ پر دینا کوئی گناہ نہیں۔ باقی رہا اس کا زنا کرنا یہ اس کا فعل ہے۔ اس کے واسطے مکان کرائے پر نہیں دیا گیا۔ (ملفوظات: حصہ سوم، ص ۲۷۸)

واہ واہ! کیا عجیب مجتہدانہ ارشادات ہیں۔ اب سب بریلوی مولویوں کو چاہیے کہ انہیں مکانات کرایہ پر دیں، کیوں کہ وہ محلوں میں اگر رہیں گی تو زیادہ کرایہ دیں گی اور جب کوئی پوچھے تو کرایہ نامہ دکھا دیا کریں کہ اس میں تو یہ نہیں لکھا ہوا، لیکن جناب! اہل محلہ آپ کے جوتے مار کر کالا منہ کر کے اسی رنڈی کے ساتھ گدھے پر الٹا بٹھا کر گشت کرائیں گے اور محلے سے نکال دیں گے۔ تب آپ کو فاضل بریلوی کی امامت واجتہاد کا پتا چلے گا اور آپ کے سواد اعظم ہونے کی قلعی کھل جائے گی۔

فاضل بریلوی کی تفرقہ بندی:

فاضل بریلوی نے ہر ہر جگہ تفرقہ بندی کو کس کس طرح دماغوں میں رچانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے فتاویٰ رضویہ میں اس کی ایک اور مثال دیکھتے چلیے، وہ لکھتے ہیں:

> ”وضو (کی) دو قسم ہے۔ واجب ومندوب۔ واجب کا سبب معلوم ہے کہ اس چیز کا ارادہ جو بغیر اس کے حلال نہ ہو۔ جیسے نماز یا سجدہ یا مصحف کریم کو ہاتھ لگانا اور مندوب کے اسباب کثیر ہیں۔ از اں جملہ قہقہہ سے ہنسنا (۲) غیبت کرنا (۳) چغلی کھانا (۴) کسی کو گالی دینا (۵) کوئی فحش لفظ زبان سے نکالنا (۶) جھوٹی بات صادر ہونا (۷) حمد ونعت ومنقبت کے

علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنا (۸) قصہ آنا (۹) غیر عورت کے حسن پر نظر (۱۰) کسی کافر سے بدن چھو جانا، اگر چہ کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو جیسے قادیانی یا چکڑالوی، نیچری یا آج کل کے تبرائی رافضی یا گنداہی یا بہائی یا شیطانی یا خوارجی، وہابی جن کے عقاید کفر کا بیان حسام الحرمین میں ہے، یا اکثر غیر مقلد خواہ بہ ظاہر مقلد وہابیہ کہ ان عقاید ارتداد پر مطلع ہوکر ان کو عالم دین ومعہ مسلمین کہتے یا اللہ ورسول کے مقابل اللہ ورسول کو گالیاں دینے والوں کی حمایت کرتے ہیں۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا جھوٹے متصوف کہ حلول واتحاد کے قایل یا شریعت مطہرہ کے صراحتاً منکر یا مبطل ہیں۔

ان دسوں طائفوں اور ان کے امثال سے مصافحہ کرنا تو خود ہی حرام قطعی وگناہ کبیرہ ہے۔ اگر بلاقصد بھی ان کے بدن سے بدن چھو جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۹۰ تا ۱۹۳)

زندگی بھر کی کمائی:

(۱) اس میں فاضل بریلوی نے یہ نہیں لکھا کہ بہتان تراشی کے بعد بھی وضو کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ بہتان تراشی کرتے رہتے تھے اور اس کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق جو انہوں نے اپنے انتقال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے لکھوائی تھی ان کے پیروکار بھی بہتان تراشی کا پیشہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کی رعایت بھی مقصود ہوگی، تاکہ انہیں بار بار وضو کرنے کی دشواری نہ ہو۔ ان وصیتوں میں ان کی آخری وصیت یہ ہے

"اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے"۔ (وصایا شریف ص ۹)

کیوں کہ اگر ان کی کتابیں درمیان سے حذف کر دی جائیں تو سنی حنفی مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہیں رہتا اور یہ تفرقہ بازی اور گروہ بندی ہی تو ان کی زندگی بھر کی کمائی

تھی، اسی لیے اس کے باقی رکھنے کی وصیت کر گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کتابوں میں اور ہے ہی کیا؟ ان کے فتووں میں غلطیوں کا حال تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ جب مایۂ ناز فتووں کا یہ حال ہے تو اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ باقی فتووں کا کیا حال ہوگا۔

(۲) فاضل بریلوی نے قادیانی چکڑالوی نیچری کے ساتھ علمائے دیوبند کو بھی ملا دیا ہے اور انہیں بدترین الفاظ سے یاد کیا ہے۔ معاذ اللہ کذابی، بہائمی، شیطانی وغیرہ۔ اس کے جواب میں ان کے ترجمہ اور تفسیر کی وجہ سے انہیں ایسے بہت سے القاب دیے جا سکتے ہیں، لیکن ہم صرف اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی پھٹکار اللہ تعالی ان پر اور انہیں سچا ثابت کرنے والوں پر ڈالے یا انہیں ہدایت دے کہ وہ مسلمانوں میں تفریق کی لعنت پھیلانے سے توبہ کریں۔ غرض وہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور اپنے لیے وبال جاری کا کام کر ہی گئے کہ مسلمان لڑتے رہیں، ایک دوسرے کو کافر کہتے رہیں، آپس میں مصافحہ تک نہ کریں، بلکہ اسے گناہ کبیرہ اور حرام سمجھیں اور بدن بھی نہ چھونے دیں، لیکن اگر بریلوی حضرات کو فاضل بریلوی کی خیر خواہی مطلوب ہے تو انہیں اس وصیت کے ادبار جاری سے بچائیں۔

فاضل بریلوی کی فطرت:

فاضل بریلوی کے ایک مداح لکھتے ہیں:

> ”حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے علمی ذخایر میں یہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو۔ اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔ مولانا ایک مجتہد کی طرح ہر بڑی علم سے اختلاف کرتے ہیں“۔

اس عبارت کو بہ غور ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں فاضل بریلوی کی فطرت بیان کی گئی ہے۔ یہ ان ہی کے ایک عقیدت مند سید شجاعت علی صاحب کے مقالے میں ہے

اور اس مقالے کو بریلوی طبقے نے اتنی اہمیت دی ہے کہ فتاوی رضویہ جلد پنجم کا مقدمہ بنادیا ہے۔ دیکھیے فتاوی رضویہ: ج ۵، ص ۳۰ طباعت دوم ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء، ناشر مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

یہ ان فتاوے کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلی بار ۱۳۴۶ھ/ ۲۸ - ۱۹۲۷ء میں طبع ہوئے تھے۔ یعنی تقریباً نصف صدی بعد یہ دوبارہ طبع ہوئے۔ اسی سے ان کی مقبولیت اور ضرورت واہمیت کا اندازہ لگا لیجیے، کیوں کہ جو مسایل ان فتاووں کی چودہ جلدوں میں ہیں ان کی کسی کو ضرورت نہیں پڑتی۔ جھگڑے کے لیے تو دس گیارہ مسئلے ہی چل سکتے ہیں۔

غرض ہم بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ اختلاف، جھگڑا اور نزاع پسندی ان کی طبیعت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔ ان کے مداح کی یہ عبارت اسی چیز کو واضح کرنے کے لیے نقل کی گئی ہے۔

یہ تفریق بین المسلمین کا سلسلہ فاضل بریلوی سے آج تک چلا آرہا ہے اور ان میں جو شخص مسلمانوں کی تکفیر شدومد سے کرتا ہے وہ اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے۔

تبلیغی حضرات کی عورتوں سے زنا بالجبر کی تلقین:

بھارت میں جہاں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کر قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق

بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (سورۂ صف: ۴)

"جس میں سیسہ پلایا گیا ہے"۔

بن جائیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(سورۂ آل عمران: ۱۰۳)

"اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلے اس طور کہ (تم سب) باہم

متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو"۔

کے حکم پر عمل پیرا ہوں، لیکن بریلوی واعظ اپنے امام کی پیروی میں وہاں بھی تفرقہ بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب منصور علی خاں جو بمبئی میں مسجد مدن پورہ کے امام ہیں، کرناٹک (میسور) کے شہر شیموگہ گئے، وہاں پُر زور تقاریر سے مسلمانوں میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکا دی۔ شیموگہ کے مسلمانوں نے ان پر دعویٰ دائر کر دیا اور ان کی ٹیپ کردہ تقاریر سنائیں جن میں یہ مواد تھا۔ (ہم "ندائے عرفات" مطبوعہ شہر شیموگہ کی زبان میں نقل کر رہے ہیں)۔

> "تبلیغی حضرات کی عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کی تلقین کی، ان کے پینے کے پانی میں کتے مار کر ڈال دینے کی تلقین کی، تبلیغی عورتوں یا مردوں کی جماعت آپ کے پاس آئے تو چپل اور جھاڑو سے تراتر مارنے کا مشورہ دیا اور کہا تم اپنی جھاڑو سے انہیں مارو، وہ اپنی چپل چھوڑ کر بھاگیں گے۔ وہ چپل آپ کے حق میں مال غنیمت ہوگی، آپ فایدے میں رہیں گے۔ ان ڈبل بارہ کو جہاں دیکھو وہاں مارو جیسے روئی دھنکنے والا ریندٹ کی آواز سے روئی صاف کرتا ہے ایسے ہی آواز ان کے مارے جانے پر ہونی چاہیے"۔

سوشل بائی کاٹ:

> "وہابیوں کو نکاح کے لیے دختر (لڑکی) مت دو، ان کے مُردہ تمہارے قبرستانوں میں مت دفن کرو، تمہاری مسجدوں میں انہیں داخل ہونے نہ دو، سلام نہ کرو، جو انہیں سلام کرے گا وہ کافر ہے، انہیں کافر نہیں جاننے والا بھی کافر ہے"۔ (سرورق ہفت روزہ "ندائے عرفات"، ج نمبر ۲، ش نمبر ۲، مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۹، بروز پنج شنبہ (جمعرات) طابع و ناشر و مدیر شفیق احمد، پیرسن پریس عزیز یم کے کے روڈ شموگہ کرناٹک یعنی میسور)

بکواس کرنے والے پر مقدمہ اور اس کا فیصلہ:

منصور علی خاں وغیرہ پر یہ مقدمہ ۷/ اگست ۱۹۷۵ء کو دایر کیا گیا (ندائے عرفات: ص ۲، کالم ۱۴) اور ۲۱/ اگست ۱۹۷۹ء کو جمعہ کے دن اس کا فیصلہ سنایا گیا۔ منصور علی خاں کو ایک سال قید بامشقت کی سزا، ایک ہزار روپے جرمانہ اور ان کے دو ساتھیوں کو تین ماہ قید اور پانچ سو روپے فی کس جرمانے کی سزا دی گئی۔ مقدمے کا فیصلہ نمبر سیکشن IPC۲۹۸ اور IPC۲۴۷ تحریر ہے۔

زنا بالجبر سے اولاد سنی کہلائے گی:

منصور علی خاں کی یہ تقریر پریس شیموگہ اور بھدراوتی میں مئی/ جون ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھیں۔ ''ندائے عرفات'' کے چار صفحات میں اسی مقدمے کی کارروائی چھاپ دی گئی ہے۔ ہم نے یہ کم حصہ نقل کیا ہے۔ اس جلیل القدر بریلوی عالم نے انور کالونی بھدراوتی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''نوجوانو! وہابیوں، تبلیغیوں کی عورتوں سے زنا بالجبر کرو، اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ خود بخود سنی کہلائے گی'' (ندائے عرفات: ص ۴، کالم ۳)

قارئین کرام! اس کا نام ہے بریلویت اور یہ ہے امام بریلوی مجدد مائۃ حاضرہ احمد رضا خان کی کتابوں کو پڑھ کر ان کی وصیت پر قایم رہنے کا اثر۔ اس مضمون میں ''بریلوی'' سے ہماری مراد ایسے ہی فاسد طبع اور لسان خصلت لوگ ہیں۔

باب(۷)

بریلویت کی حقیقت

بریلویت کس چیز کا نام ہے اور بریلوی بڑے کیا کرتے رہتے ہیں؟ اس کا خاکہ یہ ہے:

بریلوی مدارس کا منظر:

۱: مسلمانوں کو اسلام کی مکمل تعلیمات سے روشناس کرانے کے بجائے چند مسایل میں الجھائے رکھنا۔

۲: ایسے مسایل چھانٹ چھانٹ کر سامنے لانا جن میں علمائے امت میں پہلے ہی سے اختلاف رہا ہو۔ پھر اس اختلاف کو اتنا بڑھانا کہ وہ کفروایمان کا مدار بن جائے۔ ان کے اکثر مدارس، طلبا اور علم سے خالی ہوتے ہیں۔ بس یہی بحثیں سکھا کر انہیں عالم فاضل بنا دیا جاتا ہے۔

خود بریلی میں فاضل بریلوی کا مدرسہ طلبا و مدرسین سے خالی رہا۔ بریلی میں چار مدرسے ہیں: (۱) منظر اسلام، (۲) مظہر اسلام، (۳) اشاعت العلوم اور (۴) مصباح العلوم۔ دو فاضل بریلوی کے مسلک کے ہیں اور دو حنفی دیوبندی۔ وہاں بھی فاضل بریلوی مسلک کے مدرسے کامیاب نہیں اور کسی جگہ تو کیا کامیاب ہوتے؟؟؟

خود فاضل بریلوی نے بھی کسی درس گاہ میں نہیں پڑھا تو وہ درس گاہ کو کیا جانتے؟

بریلویوں میں قاری نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ سے قاری غلام رسول وقاری خوشی محمد وغیرہ نے قرأت سیکھی ہے۔ قاری

عبدالمالک صاحب(۱) نوراللہ مرقدہ خالص دیوبندی حنفی سنی تھے۔ ان سے انہیں صحیح قرآن پڑھنا آیا ہے۔ اگرچہ اس کا اتنا فایدہ ہوا ہے کہ ضاد کے مسئلے میں بریلوی لوگ بلاعلم بحث وفساد کرتے تھے وہ ختم ہو گیا۔

بریلوی مسلک کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے:

۳: اختلاف کو پکا کرنے کے لیے ضعیف حدیثوں بلکہ موضوع (جھوٹ) روایتوں کو حسن (قابل استدلال) اور صحیح کہہ کر ان پر اپنا مسلک بریلوی قایم کر دینا۔ ایسی حدیثوں کے بارے میں علمائے امت کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا اور اپنی ہی کہے جانا (بریلوی مسلک کی بنیاد فقط ضعیف حدیثوں پر ہے، اس لیے وہ ضعیف حدیث کو قوی کرنے کے لیے بے انتہا زور صرف کرتے ہیں)۔

دورُخی چال:

۴: ایسے سب مسایل میں دورخی چال چلنی، اس طرح کہ ایک طرف تو ان چیزوں کو لکھا تو جائے کہ یہ فقط مستحب ہیں، بہ شرطے کہ انہیں کرنے والے نیک ہوں، پاک ہوں، داڑھی نہ منڈاتے ہوں، نماز نہ چھوڑتے ہوں، بے اصل قصے نہ بیان کرتے ہوں وغیرہ۔ دوسری طرف ان پر عمل کے لیے زور دینا۔ انہیں اتنا ضروری قرار دینا کہ جو مسلمان یہ کام نہ کرے اسے حقیر بلکہ کافر جاننا۔ اس طرح مسلمانوں میں جھگڑے فساد کا بیج بونا۔

بدعتی عوام سے بدعتی علما کو ڈر:

۵ یہ لوگ دنیا کے لالچ میں نہی عن المنکر کی سکت نہیں رکھتے۔ مثلاً لکھتے ہیں کہ قبروں پر سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ خود احمد رضا خان صاحب نے حرمت سجدۂ تعظیمی پر رسالہ بھی لکھا ہے، مگر کبھی منع نہیں کرتے۔

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت کا تعلق بھی رکھتے تھے۔ (شریفی)

لکھتے ہیں کہ مزامیر سے سماع حرام ہے، مگر کبھی منع نہیں کرتے کہ کہیں بدعتی عوام ہماری پٹائی نہ کر دیں۔

۶ پھر اس سب کا نام سنت اور حنفیت رکھنا اور فاضل بریلوی کو اس کارنامے پر مجدد مائۃ حاضرہ (موجودہ صدی کا مجدد) کہنا۔

۷: جو مسلمان سنت پر اور حنفی مسلک پر احمد رضا خان سے پہلے کے مسایل پر قایم رہنا چاہے اسے ہی النا فرقہ بندی کا مرتکب قرار دینا اور اس سے دشمنی رکھنا۔

تعامل امت کو نظر انداز کرنا:

۸ علمائے امت کے تعامل کو نظر انداز کرنا، حالاں کہ مسایل میں تعامل کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو اہل مدینہ کے تعامل کو حدیث صحیح سے بھی بڑا درجہ دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی گنجایش کا انکار کرنا:

۹: جس مسئلے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنجایش چھوڑی ہو اس کی گنجایش ختم کرنا۔ مثلاً فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ایک ہی طریقہ ذکر لے کر اسے ہی لڑائی جھگڑے کی بنیاد بنا دینا اور دوسری حدیثوں میں سلام پھیرنے کے بعد جو اذکار، کلمات اور دعائیں آئی ہیں سب نظر انداز کر دینا۔ حالاں کہ نسائی شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں سلام پھیرنے کے بعد کی دوسری دعائیں موجود ہیں۔

اصولوں کی مخالفت:

۱۰ مزید وضاحت کے لیے مثال عرض ہے کہ سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان ذرا سی دیر کے لیے لیٹ جانا۔ بخاری شریف میں بھی آیا ہے (ص ۲۱)، لیکن حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ الاستاذ ہیں) جب دیکھا کہ لوگ اس سنت کو ضروری قرار دینے لگے ہیں تو انہوں نے

اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم نخعیؒ کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں صفحہ نمبر ۵۰ پر روایت ہے کہ انہوں نے اس خدشے سے کہ کہیں لوگ ٹھنڈ کی وجہ سے بلا عذر بھی تیمم نہ کرنے لگیں فرمایا کہ اگر پانی نہ ملے تو نماز مؤخر کردو۔ حالاں کہ مسئلہ ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو قرآن پاک میں صراحتاً آیا ہے کہ ایسی صورت میں تیمم ہی کرے گا۔ انہوں نے غلط رجحان کے خدشے سے ایسے اہم مسئلے میں یہ فتویٰ دیا۔ پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو عالم تھے مطمئن کرنے کے لیے اپنے مذکورہ بالا فتوے کی وجہ بتلائی۔

لیکن بریلوی علما اس اصول کی پوری مخالفت کرتے ہیں، جیسے کہ ان کے اختلافی مسایل سے واضح ہے۔

بریلوی مدارس میں تدریسی نصاب:

اا: عجیب بات یہ ہے کہ الف، با سے لے کر بخاری، بیضاوی، ہدایہ اور شرح مواقف تک بریلوی لوگ تفسیر، حدیث، فقہ اور عقاید کی ان ہی کتابوں کے قایل ہیں جو تمام دیوبندی مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ بس صرف چند ایسے مسایل میں اختلاف ہے جنہیں فاضل بریلوی نے ضروری کردیا ہے اور انہیں ایمان وکفر کا مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ وہ سب مسایل ایسے ہیں کہ سات سو سال پہلے ان میں سے ایک کا بھی وجود نہ تھا۔ یہ خود ان ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا بھی نہیں ہے جو دنیا میں نئے حالات کی وجہ سے پیش آگیا ہو، ورنہ اس میں کلام کی گنجائش ہر عالم کو ہے۔ مثلاً ریل میں کھڑے ہوکر نماز اور ہوائی جہاز میں نماز، لاؤڈ اسپیکر پر نماز، سینما بینی، فوٹو گرافی، ٹیلی فون پر نکاح، مشین سے ذبح کرنا ایسے نئے ضروری مسایل ہیں جو ہر ہفتے ہی بند نکلتے ہیں اسے بریلوی حضرات صحیح مانتے ہیں۔ جب تفسیر، حدیث، فقہ، عقاید کی کتابوں میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح نئے پیش آنے والے حالات پر مسایل میں بھی اختلاف نہیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ صرف دس

گیارہ مسئلوں میں اختلاف حقیقت پر مبنی ہے یا محض فرقہ بندی کے لیے اور اپنی خواہش پر چلنے چلانے کے لیے ہے؟ اور اسے اتباع ہوئی کہا جائے گا یا اتباع سنت اور پیروی شریعت؟

کوئی بریلوی بھی متبع سنت نہیں ہے:

ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ بریلوی طبقے میں آپ کو کوئی بھی شخص ایسا نہیں مل سکتا جو متبع سنت ہو۔ جسے کہا جائے کہ اس کی زندگی صحابۂ کرامؓ کی حیات طیبہ کا نمونہ ہے بلکہ اگر کوئی بریلوی صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے نقش قدم پر چلنے لگے گا اور اتباع سنت کی صراط مستقیم پر گامزن ہوگا تو ہرگز وہ بریلوی نہ رہے گا۔ اسے بریلوی اپنی جماعت سے خارج کر دیں گے کہ تو دیوبندی ہو گیا ہے۔

ان چند سطور پر غور کریں گے اور بریلوی علما پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو یہی کچھ نظر آئے گا جو لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ ان کا ذہن اتباع فاضل بریلوی کی طرف چلتا ہے اور ان کی سیٹروں کی تعداد میں جتنی بھی تصانیف ہیں سب اختلاف اور فرقہ بندی سکھاتی ہیں۔ تو یہ لوگ اسی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اسی طرف چل دیتے ہیں۔ اسی میں ان کی ساری ساری عمریں گزر جاتی ہیں، ذہن کو فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اتباع سنت کی طرف رخ کریں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نے فرمایا:

دیوبندیت کے چار عناصر ہیں۔

① فقہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی،

② فقہ حدیث میں تطبیق بطرز شاہ ولی اللہؒ،

③ تصوف بدعات سے پاک مجدد الف ثانیؒ کے طرز پر،

④ جذبۂ جہاد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا۔

باب(۸)

دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتاووں کی تعداد

ذکر فتووں کا ہو رہا ہے، اس لیے آپ کے سامنے صرف دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتووں کی تعداد رکھتا ہوں۔ ان میں نہ سبّ و شتم ملے گا، نہ مسلمانوں میں تفریق، نہ مسلمانوں کی تکفیر۔

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتووں کے جوابات تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ پھر ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء سے باقاعدہ ایک عالم فتووں کے جوابات ہی کے لیے مقرر کردیے گئے، لیکن فتاوے کا اندراج نہ ہوتا تھا۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء سے فتووں کے اندراج کا ناقص انتظام کیا گیا۔

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء سے ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء تک سب فتوے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ شیخ الاسلام پاکستان کے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ابھی صرف ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء سے ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء تک کے فتاوے "فتاویٰ دارالعلوم" کے نام سے شایع کیے جارہے ہیں، جو کم از کم ۱۲ جلدوں میں ہوں گے۔ اس درمیان میں کچھ سالوں کا ریکارڈ ضایع ہوگیا ہے، پھر بھی اس مدت کے جو فتاوے موجود ہیں ان کی تعداد ۳۷۵۶۱ (سینتیس ہزار پانچ سو اکسٹھ) ہے۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک سرسری اندازے کے مطابق حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاووں کی تعداد ایک لاکھ اٹھارہ ہزار

کے لگ بھگ ہے۔

آپ کی وفات کے بعد دوسرے مفتی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے۔ آپ کو پہلی مرتبہ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء سے ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء سے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۶ء تک اس منصب پر رکھا گیا۔ کیوں کہ حضرت مولاناؒ کے پاس تدریسی اور انتظامی مشاغل ہمیشہ بہت رہے ہیں۔ ان تین سالوں کی مدت میں آپ کے فتاووں کی تعداد ۲۴۸۵۵ (چوبیس ہزار آٹھ سو پچپن) ہے۔

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحبؒ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء کے اواخر سے ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء تک اس منصب پر رہے۔ اس مدت میں فتووں کی تعداد ۷۰۰۰ (سات ہزار) ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء سے ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء تک اور پھر ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء سے ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۳ء تک اس منصب پر کام کیا۔ اس زمانے میں فتاووں کی تعداد چھبیس ہزار ہے۔

حضرت مولانا محمد سہول صاحبؒ ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء سے ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء تک صدر مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں ۱۵۱۸۵ (پندرہ ہزار ایک سو پچاسی) فتوے جاری کیے گئے۔

حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب گنگوہیؒ ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء سے اوائل ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء تک مفتی رہے، آپ کے زمانہ میں ۵۸۴۰ (پانچ ہزار آٹھ سو چالیس) فتوے روانہ کیے گئے۔

حضرت مولانا محمد فاروق احمد صاحب ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء کم وبیش ایک سال مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں ۸۴۲۷ (آٹھ ہزار چار سو ستائیس) فتوے جاری کیے گئے۔

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء سے ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء تک مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں دار العلوم سے ۷۵۳۲۴ (پچھتر ہزار تین سو چوبیس) فتوے جاری کیے گئے۔

یعنی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء تک دو لاکھ ایک سو بانوے فتوے دار العلوم دیو بند سے جاری کیے گئے۔

اب حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی دونوں حضرات ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء سے دار العلوم دیو بند میں خدمت افتا انجام دے رہے ہیں(۱)۔ (ماخوذ از تاریخ دار العلوم: ج ۲، ص ۲۳۶ تا ص ۲۶۰)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور دیگر مراکز افتا کا ذکر ہی کیا؟

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے فتاوے ''امداد الفتاوی'' کے نام سے چھ جلدوں میں ہیں۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم برصغیر کے فتاوے کا ریکارڈ نہیں تھا، جو فتاوے شایع ہوتے رہے وہ جمع کیے گئے ہیں۔ وہ نو جلدوں میں ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاوے، فتاوی دار العلوم کے نام سے الگ شایع ہوئے ہیں۔ ان ہی فتاووں کی کتابوں کو دیکھیں تو ان میں بریلوی دیو بندی جھگڑوں سے پرہیز ہی ملے گا اور ان کا مطالعہ کرنے والا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے درمیان تفریق کے خیالات سے پاک ذہن رہے گا۔

امت محمدیہ سے دشمنی:

دوسری طرف فاضل بریلوی کے فتاوے اور رسایل دیو بند کی نفرت سے پر نظر آئیں گے۔ آپ ہماری دعوت پر ضرور یہ موازنہ کریں اور غور کریں کہ آخر انہیں بریلی

---

(۱) ان بزرگوں کا وصال ہو گیا۔ اب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مدظلہ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ اور ان کے رفقائے کرام یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ (شرقی)

میں بیٹھے بیٹھے یہ جذبہ کیوں ابھرتا تھا؟ کہاں سے ڈورلتی تھی؟ ایک طرف انہیں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی تھا اور دوسری طرف آپ کی امت مرحومہ کے ساتھ ایسی دشمنی؟

اکابر دیوبند سب کے سب سنی اور حنفی ہیں اور ان کا طریقہ چشتیہ صابریہ ہے، طریقہ نقشبندیہ مجددیہ ہے، وہ طریقہ عالیہ قادریہ اور طریقہ مبارکہ سہروردیہ میں بیعت اور مجاز ہیں اور ان چاروں طریقوں میں بیعت کرتے ہیں۔

باب(۹)

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت وعظمت کا راز

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات دارالعلوم اور اس کے اکابر کے متعلق بھی کچھ جان لیں کہ یہ ادارہ کیا ہے، کن اولیا نے اس کی بنیاد رکھی ہے اور اس کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات سے بھی اقتباس دیں گے۔ اس لیے ان کے حالات تاریخ دارالعلوم سے نقل کیے جاتے ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ:

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمود حسنؒ (شیخ الہند) کے والد ماجد تھے۔ دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ (وفات ۱۲۶۰ھ/۱۸۵۱ء) سے پڑھا۔ فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ چند سال بعد محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر ہوگئے۔ عربی زبان وادب پر بڑی دسترس تھی۔ دیوان حماسہ کی شرح تسہیل الدراسہ، دیوان المتنبی کی شرح تسہیل البیان، سبعہ معلقہ کی شرح التعلیقات علی السبع المعلقات، قصیدۂ بانت سعاد کی شرح ارشاد اور قصیدۂ بردہ کی شرح عطر الوردہ اردو میں تحریر فرمائیں۔

مولانا نے ان شروح میں عربی کے غریب اور مشکل الفاظ اور محاورات کا ایسا سلیس و بامحاورہ ترجمہ اور ایسی دل نشین تشریح کی ہے جس کی بہ دولت عربی ادب کی یہ سنگلاخ کتابیں طلبا کے لیے نہایت سہل اور آسان ہوگئی ہیں۔ معانی و بیان میں تذکرۃ

البلاغت اور ریاضی میں تسہیل الحساب ان کی یادگاریں ہیں(۱)۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ "الھدیۃ السنیۃ فی احوال المدرسۃ الدیوبندیۃ" کے نام سے لکھا ہے، جس میں بزرگان دارالعلوم کے اوصاف وکمالات اور سرزمین دیوبند کی خصوصیات پر بڑے لطیف اور ادیبانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم: ج۱، ص۲۴-۱۲۳)

ان کے بارے میں تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے۔

حضرت مولانا ذوالفقارعلیؒ (والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ) ان اکابر میں سے تھے جو دارالعلوم کی بناء تاسیس میں شروع ہی سے شریک رہے تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے بعد تمام عمر مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ دارالعلوم کا خزانہ انہیں کی تحویل میں رہتا تھا۔ نہایت امانت ودیانت کے ساتھ انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا۔ علم وفضل، تدین وجاہت دنیوی اور خوش خلقی میں یگانہ روزگار تھے۔ (ج۱، ص۲۱۰)

وہ اپنے تاریخی رسالہ الھدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیۃ کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومثنیاً ومسلماً ومصلیاً

لما اراد اللہ تعالیٰ شانہ وعز سلطانہ. خیر ھذہ البلاد

وارشاد العباد باحیاء العلوم الدینیہ والفنون الیقینیہ

اذعانا وتصدیقا وایقانا وتحقیقا الھم السید النسیب

الجلیل والشریف الحسیب النبیل صاحب القوۃ

---

(۱) کا بردہ بندکا شجرۂ چشتیہ بھی عربی میں نظم کیا ہے۔ جس کا مطلع ہے

بیا دائم الانعام والاحسان   رحما علی العبد الفقیر الجانی

(حامد میاں)

القدسية والابهة الوهبية الرضى التدبير الرحيم على
الصغير والموقر لكبير الفقيد المثل والعديم النظير
وسامةً وجمالاً وفخامةً وجلالاً وصورةً وسيرةً وسراً
وسريرةً ورأياً ورياً وطباعاً ذكياً المسمى المخبر
البهى المنظر الخير الشير ومن لم يؤمن به فقد
صدق الخبر الخبر الجبى التقى السخى النقى فخر
الامثال الاماجد السيد الاجل محمد عابد ادامه الله
وابقاه وانى منتهى الامال رقاه ما در سحاب وقدى
كتاب بتاسيس هذا المدرسة التى اسست على
التقوى والطريقة المثلى وان لم يساعده الزمان
والمكان ولم يوافقه الحين والاوان ذالك تقدير
العزيز العليم والحكيم الحليم فانه اذا اراد شيئا هيأ
اسبابه وقدر له اربابه انما امره اذا اراد شيئا ان يقول
له كن فيكون فسبحان الذى بيده ملكوت كل
شىء واليه ترجعون.

فندب السيد اهل الخير الى اعانة هذه الثوبة
وتايد هذه المشورة سنة اثنين وثمانين بعد الالف
والمائتين من هجرة سيد الثقلين صلى الله عليه
وسلم وعظم وكرم. فاستمعوا له وانتدبوه واجابوه
واتبعوه فصار المدرسة بسعيه المشكور ملجأ للعلم
وزويه ومرجعا للفضل ومنتسبيه ومؤلا للدين

ومستحليه وما عر وفان الولد سر لابيه ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

(الہدیۃ السنیۃ۔ ص ۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۷ھ)

بسم الله الرحمن الرحيم

"حمد وثنا باری اور صلوٰۃ وسلام بر نبی خیر الانام۔ جب اللہ تعالیٰ شانہ وعز سلطانہ نے ان شہروں کی بہتری اور بندوں کی رہنمائی کا اس طریقے پر کہ علوم دینیہ اور فنون یقینیہ (تفسیر وحدیث) کا اس طرح احیا ہو کہ اعتقاد، تصدیق، یقین اور تحقیق کے ساتھ ہو تو اس نے الہام فرمایا ایک ایسے سید (۱) پر جو بڑا نسب والا، شرافت حسب والا اور برگزیدہ ہے۔ قوت قدسیہ والا اور خدا کی وہبی بلند والا ہے۔

جس کی تدبیر پر (لوگ) راضی ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے پر شفقت اور ہر بڑے کی تعظیم کرنے والے ہیں۔ ان جیسا دوسرا کوئی آدمی نہیں ہے۔ وہ نقش ونگار وخوب صورتی میں اور عظمت وجلال میں صورت وسیرت میں اور تنہائی (کی پاکیزگی) اور طبیعت میں روشن کن رائے میں ذکی الطبع ہونے میں عدیم النظیر ہیں۔ آزمائش میں بلند دیکھنے میں پر رونق ہیں اور پسندیدہ مشورہ دینے والے ہیں اور جسے ان باتوں پر یقین نہ آئے تو (آزمالے، کیوں کہ) خبر کی تصدیق آزمائش کرتی ہے۔ باحیا متقی تھی، پاک باز اپنے جیسے بڑوں بڑوں کے لیے قابل فخر ہیں (جن کا نام نامی) سید الحاج محمد عابد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تادیر قائم رکھے اور ان کی آرزوؤں کی آخری حد وانتہا ان کو ترقی بخشتا رہے۔ جب تک بادل برستا رہے اور کتاب پڑھی جاتی رہے (یعنی ہمیشہ)۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے الہام

---

(۱) آپ کا تعلق سادات دیوبند سے ہے۔ آپ کا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان انتالیس واسطے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تذکرۂ سادات رضویہ دیوبند ص ۳۰ وص ۲۶

فرمایا اس مدرسے کی بنیاد رکھنے کا، جس کی بنیاد تقوے پر اور افضل راستے پر رکھی گئی ہے۔ اگر چہ جگہ (خطۂ انگریز) اور زمانہ ناسازگار ہے اور وقت بھی موافقت نہیں کر رہا (۱۸۵۷ء کے بعد سے)، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی مقدر ہے جو غلبے والا اور علیم ہے۔ حکمتوں والا اور حلیم ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور ایسے لوگ متعین فرما دیتا ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو کن کے حکم سے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ پس پاک ہے ہر عیب و عاجزی سے وہ ذات کہ جس کے قبضے میں ہر چیز کی ملکیت و حکومت ہے۔ والیـــــــــہ ترجعون.

سید صاحبؒ نے اہل خیر کو اس کار ثواب میں امداد اور اس مشورے کی تائید کے لیے ہجرت نبوی کے ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں بلایا۔ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم و عظم و کرم (بڑائیاں اور اکرام بخشے)۔ لوگوں نے آپ کی بات غور سے سنی، مدد کی، لبیک کہا اور آپ کے پیچھے چل پڑے۔ آپ کی سعی مقبول سے مدرسہ علم اور اہل علم کا ٹھکانہ بن گیا اور فضل اور اہل فضل کا مرجع دین اور اہل دین کا مقام بن گیا اور سید صاحبؒ کے اعتبار سے کوئی ایسی نئی عجیب بات بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ بیٹا اندر سے باپ کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا فرمادے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

حضرت کی تحریر میں اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ آپ کے خاندان نے خانقاہ سید ابراہیم میں عرصے تک علمی خدمات انجام دی تھیں اور ہوسکتا ہے کہ اشارہ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ واللہ اعلم!

تذکرۃ العابدین میں اس الہام کی تفصیل اس طرح دی گئی ہے:

"جب حضرت حاجی صاحب نے دوبارہ چلہ کر لیا تو ایک روز آپ نے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ صبح کو مولوی فضل الرحمن صاحب وغیرہ کو بلایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے، کوئی تدبیر کرو کہ علم دین قائم رہے۔ جب پرانے علماء نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ رہے گا۔ جب سے دہلی کا مدرسہ گم ہوا ہے کوئی علم دین نہیں پڑھتا۔ اس وقت سب صاحبوں نے عرض کیا کہ جو تدبیر آپ فرمائیں وہ ہم کو منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چندہ کر کے مدرسہ قائم کرو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور روپے بھی آگے دھر دیے۔ اور فرمایا کہ ان شاء اللہ ہر سال یہ چندہ دیتا رہوں گا۔ چناں چہ اسی وقت سب صاحبان موجودہ نے بھی چندہ لکھ دیا۔ پھر حاجی صاحب مسجد سے باہر کو نکلے۔ چوں کہ حاجی صاحب کبھی کہیں نہیں جاتے تھے، جس کے گھر پر گئے اسی نے اپنا فخر سمجھا اور چندہ لکھ دیا۔ اس طرح شام تک قریب چار سو روپیہ کے چندہ ہو گیا۔ اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے، فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب لکھا کہ میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے۔ مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسۂ مذکور میں ساعی رہوں گا۔ چناں چہ ملا محمود صاحب دیوبند آئے اور مسجد چھتہ (۱) میں عربی پڑھانا شروع کیا"۔

---

(۱) مسجد چھتہ میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب قدس سرہ کا قیام ساٹھ برس تک رہا۔ (تاریخ دیوبند ص ۲۸۹) یہی مسجد حضرت حاجی محمد عابد صاحب کی عبادت گاہ تھی اور وہیں آپ کا خلوت خانہ تھا۔ وہ کمرہ اب تک ہے۔ ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہیں آج کل مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی قیام رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں۔ [illegible] میں بخاری شریف کا درس بھی دیتے ہیں۔ آج تک بھی بفضلہ تعالیٰ وہ انار کا درخت موجود ہے جس کے سائے میں مدرسہ شروع ہوا۔ اسی مسجد کے حجروں میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت نانوتوی رحمہما اللہ کا بھی قیام رہا۔ (تاریخ دیوبند ص ۲۹۰) اس کے شمالی حجروں کی جگہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں اب نئی عمارت بن گئی ہے۔

(حامد میاں)

یہی واقعہ تاریخ دیوبند میں منشی فضل حق صاحب کی سوانح مخطوطہ کے حوالے سے مفصل لکھا ہے، آخر میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

مرد حق عابد صداقت کیش او
اولا کستر اندر دانش

مدرسے کا آغاز ۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال بعد ہوا۔ پنج شنبہ (جمعرات) کا دن تھا اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) تھی۔

استاذ کا اسم گرامی بھی محمود تھا اور شاگرد کا بھی محمود (یعنی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہما)

یہ چندے کا واقعہ بروز جمعہ ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں ہوا۔

(تاریخ دیوبند: ص ۳۲-۳۳۳)

جب یہ خبر عام ہوئی کہ علم عربی پڑھانے کو مدرسہ قایم ہو گیا ہے تو طالب علم (۱) جوق در جوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں باعث کثرت طلبا مسجد میں گنجائش نہیں رہی، تب ایک مکان (۲) کرایہ پر لیا گیا، مگر اس قدر کثرت طلبا کی ہوئی کہ تنہا ملا محمود صاحبؒ تعلیم نہ دے سکے۔ چناں چہ اس عرصے میں چندہ بھی زیادہ آنے لگا۔ اس وقت حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحبؒ، مولوی فضل الرحمن صاحبؒ، مولوی ذوالفقار علی صاحبؒ، مولوی مہتاب علی صاحبؒ اور منشی فضل حقؒ وغیرہ کو اہل شوریٰ قرار دے دیا کہ کاروبار مدرسہ حسب رائے اہل شوریٰ ہوا کرے اور خود

---

(۱) پہلے سال میں ۵۸ بیرونی طلبا میں صرف ۱۲ ایسے تھے جو خود اپنے اخراجات کا تکفل کر سکتے تھے۔ بقیہ ۴۶ طلبا کے خورد و نوش اور قیام وغیرہ کا تمام تر بار اہل دیوبند نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ سبقت الی الخیر کا یہ عمل انھیں ان لوگوں کو السابقون الاولون کے شرف سے ممتاز کرتا ہے۔ (باوجودے کہ ۱۸۵۷ء میں ان کی جائیدادیں بھی ضبط کرلی گئی تھیں)۔ (حامد میاں)

(۲) یہ مکان مسجد قاضی کے نزدیک لیا گیا تھا، جیسا کہ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے۔ (حامد میاں)

بھی اہل شوریٰ وسرپرست ومہتمم مدرسہ بلا تنخواہ رہے۔ جب چندے کی زیادہ آمد ہونے لگی، اہل شوریٰ سے مشورہ کیا گیا کہ کہ دو مدرس چھوٹی کتابیں پڑھانے والے اور مقرر کیے جائیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کو بریلی سے بلا کر مدرس اول کیا جائے اور ایک مدرس فارسی اور ایک قرآن شریف کا مقرر کیا جائے۔ چوں کہ یہ کام متعلق دین محمدی کے تھا، اس لیے سب مدرّس اہل تقرر رکھے گئے، تا کہ کاروبار مدرسہ میں یہ لوگ دل سے توجہ کریں۔ (تذکرۃ العابدین: ص ۷۰)

حضرت حاجی محمد عابد صاحب قدس سرہ کی تجویز کہ قومی چندے کے ذریعے مدرسہ قایم کیا جائے، بہت مقبول اور کارگر رہی۔

تاریخ دیو بند میں ہے:

''دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لیے مشعل راہ کا کام دیا۔ اجتماعی اور قومی کاموں کے لیے سرمایہ حاصل کرنے کا یہ پہلا تخیل تھا۔ اس ''نسخۂ کیمیا'' کا ہاتھ آنا تھا کہ جابجا اس کی تقلید میں مدارس جاری ہونے شروع ہو گئے۔ چناں چہ قیام دارالعلوم کے چھ سات ماہ کے بعد سہارن پور میں مظاہر العلوم اسی اصول پر قایم ہوا''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال بعد ۱۸۷۵ء/ ۱۲۹۱ھ میں علی گڑھ کالج (مسلم یونی ورسٹی) بھی اسی طریقے پر قایم ہوا''۔ (ص ۳۳-۳۳۳)

تذکرۃ العابدین میں تحریر ہے:

''اسی زمانے میں مشورہ قرار پایا کہ دیو بند میں جامع مسجد(۱) نہیں ہے،

---

(۱) اب دیو بند میں متعدد مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے، مگر جامع مسجد یہی کہلاتی ہے اور یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ (حامد میاں)

حال ہی میں اس جامع مسجد سے بھی بڑی مسجد مدنی گیٹ کے ساتھ بنی ہے۔ فن تعمیر میں ایک شاہ کار ہے۔ اسے ''جامع الرشید'' کہتے ہیں۔ (شریکی)

جامع مسجد بنائی جائے۔ چناں چہ آپ نے متفق الرائے ہو کر بازار کے
نزدیک ایک اونچی جگہ پسند کی اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا بھی مانگی کہ
خداوند! یہاں جامع مسجد بن جائے، مگر اس جگہ لوگوں کے مکان تھے۔ ہر
چند تدبیریں کیں کہ یہ جگہ مل جائے مگر کوئی تدبیر پیش نہ آئی۔ کیوں کہ
جب ان مکان والوں سے کہتے تھے کہ یہ جگہ دے دوتو یہ کہتے تھے کہ اپنے
مکان ہم کو دے دو اور یہ جگہ لے لو۔ یہ سن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ آخر
الامر ایک روز حاجی صاحب نے بھی ان سے کہا، انہوں نے وہی جواب
دیا۔ اس وقت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان اور نشست
گاہ کو تم کو دیا، تم جگہ مسجد کو دے دو۔ انہوں نے فوراً دے دی۔ حاجی
صاحب نے اپنا مکان و بیٹھک ان کو دے کر ارادہ حج بیت اللہ شریف
۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۸ء کیا اور جو کچھ جائیداد جزی تھی اس کو عزیزوں قریبوں
میں تقسیم کر دیا۔ مولوی رفیع الدین صاحبؒ کو مہتمم مدرسہ مقرر کر دیا اور
آپ برائے حج بیت اللہ روانہ ہوئے۔ اس وقت شہر والوں کو اتنا رنج تھا
کہ تحریر نہیں ہو سکتا"۔ (تذکرۃ العابدین: ص ۱۷)

صاحب تاریخ دیوبند (مولانا سید محبوب رضویؒ) تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کے
زمانۂ تعمیر کے ایک اشتہار میں تعمیر مسجد کی تحریک کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"حضرت حاجی محمد عابد حسینؒ نے خواب میں دیکھا کہ اس مقام پر جہاں
اب جامع مسجد ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ
کے سامنے ایک تشت رکھا ہوا ہے جو دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ داہنی جانب
ایک شخص بے جور پیالا اکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انبار لگا
رہا ہے۔ آپ نے حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ" یہاں مسجد بنانا
شروع کر دو"۔ (تاریخ دیوبند، ص ۲۹۸)

آگے تحریر فرماتے ہیں: (اس بارے میں کہ اتنی بڑی تعمیر کیسے ہو سکے گی)

"لوگ متحیر تھے۔ آخر ایک جگہ متعین کر کے سب لوگ رات کو جمع ہوئے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ لوگوں میں تعمیر مسجد کا ایسا جذبہ پیدا ہوگیا کہ انہوں نے روپے کے علاوہ زیور، کپڑے، برتن، لکڑی، اینٹ اور چونہ غرض کہ جو جس سے بن پڑا اس نے لا کر رکھ دیا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم (متولی) تعمیر قرار پائے اور مولانا عبدالخالق صاحب تحصیل چندہ پر مامور کیے گئے"۔ (تاریخ دیوبند: ص ۲۹۹)

"صحن کے اطراف میں قدیم طرز پر مدرسہ اور طلبا کے لیے دالان اور حجرے بنائے گئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اپنے ابتدائی چند سالوں میں اس جامع مسجد میں بھی رہا ہے مگر جب اس کی روز افزوں ترقی کے باعث یہ جگہ نا کافی ثابت ہوئی تو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا"۔

(تاریخ دیوبند: ص ۲۹۹)

"۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں دارالعلوم جامع مسجد میں منتقل ہوگیا"۔

(تاریخ دیوبند: ص ۳۶۱)

"جامع مسجد کی تعمیر ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں شروع ہوئی اور ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں مکمل ہوگئی تھی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موسس و مہتمم تعمیر کی حیثیت سے مسجد کے شمالی دروازے پر مسجد کے انتظام سے متعلق ایک دستورالعمل سنگ سرخ پر کندہ کرا کے نصب کرا دیا ہے۔ چناں چہ اسی کے مطابق نظم و نسق قائم ہے۔ سید جمعیت علی دیوبندی نے چھ ہزار تین سو اشعار پر مشتمل ایک مثنوی لکھی ہے، جس میں تمام کیفیات تعمیر دی گئی ہیں۔ اس میں حاجی صاحبؒ کی نسبت یہ شعر ہے۔

یہ جی عاشق علی کے نور عین
بانی مسجد ہوئے عابد حسین"

(تاریخ دیوبند: ص ۲۹۸)

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''جزاءالاعمال'' میں تحریر فرمایا ہے:

''اس وقت بھی بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے علما بہت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ ہمارے سردار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے۔

لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ.

مگر ہم چند بزرگوں کا نام تبرکاً اپنے رسالے میں لکھتے ہیں، تاکہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کر سکیں اور جن کی ایسی ہی شان ہو، ان کی صحبت سے مستفید ہو سکیں۔

مکۂ معظمہ میں حضرت سیدی مرشدی مولانا الحاج الشیخ محمد امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم، سہارن پور میں جناب مولانا ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سہارن پور، دیو بند میں جناب مولانا محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسۂ دیو بند، حضرت حاجی محمد عابد صاحب مقیم مسجد چھتہ دیو بند، انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب دامت برکاتہم۔ ایسے بزرگوں کی صحبت، خدمت جس قدر بھی میسر ہو جائے غنیمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتے میں آدھ گھنٹے ضرور التزام کرے، اس کے برکات خود دیکھ لے گا''۔

اس رسالے پر نظر ثانی کے دوران حاشیے پر تحریر فرمایا ہے:

''افسوس اس وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ اشرف علی''

(جزاءالاعمال ص ۵۱-۵۰)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی زیرو بم میں تحریر فرمایا ہے:

عالم کامل ولی مرد خدا   پائے او دریائے فخر انبیا

ہم جمالی ہم جلالی شان او — کان علم و مخزن خلق نکو
نقش و تعویزش مثال نقش قدر — فیض او بر خاص و عامی مثل بدر

(تاریخ دیوبند: ص ۴۷۷)

کچھ واقعات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح "اشرف السوانح" میں ہیں۔

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے کہ

"مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ (حاجی محمد عابد حسین) کی تکبیر اولیٰ فوت اور ساٹھ سال تک تہجد قضا نہیں ہوئی"۔ (تاریخ دیوبند: ص ۴۷۸)

آپ کے سامنے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اول کے کچھ حالات آئے۔ اب اس کے سنگ بنیاد کا واقعہ بھی سن لیجیے:

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے:

"سنگ بنیاد حضرت مولانا احمد علی (۱) محدث سہارن پوری کے دست مبارک سے رکھوایا گیا (جن کا بخاری شریف پر حاشیہ ہے)۔ اس کے بعد ایک ایک اینٹ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی نے رکھی۔ یہ نام تو روداد میں مذکور ہیں۔ "ارواح ثلاثہ" کی روایت میں مزید دو نام حضرت میاں جی منے شاہ (۲) اور حاجی محمد عابد کے بھی لکھے ہیں (۳)۔

تاریخ دارالعلوم میں ہے:

یہ عمارت آٹھ سال کی مدت میں تیس ہزار روپے کے صرف سے "نودرہ" کے نام سے بن کر تیار ہوئی۔ روداد میں لکھا ہے کہ

---

(۱) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ۔ (حامد میاں)

(۲) دیوبند کے ایک معروف صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ (حامد میاں)

(۳) ارواح ثلاثہ حکایت ۲۵۲۔

''اس عمارت میں سادگی اور استواری کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کا نقشہ من جانب اللہ قلوب پر الہام ہوا تھا''۔ (روداد ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء ص ۱۲)

یہ عمارت مہتمم دوم حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے زمانۂ اہتمام میں تعمیر ہوئی۔ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ ارشاد فرمارہے ہیں:

''یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے''۔

یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل و عریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔ چناں چہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔

دارالعلوم کی یہ جگہ احاطۂ مولسری کے نام سے موسوم ہے۔ اسی احاطے میں وہ تاریخی کنواں ہے جو نودرے کے ساتھ بنا تھا، یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے۔ مشہور عالم و مصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس کنویں کے پانی کی نسبت اپنا یہ تاثر بیان کیا ہے کہ

''اتنا لذیذ، اتنا خوش گوار، اتنا شیریں صاف وسبک اور خنک پانی میں نے اس سے پہلے نہیں پیا تھا(۱)''۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے سے دودھ تقسیم فرمارہے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں، بعض کے پاس بڑے۔ ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جارہا ہے۔

مولانا نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا ''ظرفِ علم'' مراد ہے(۲)۔ (تاریخ دارالعلوم ملخصاً: ج ۱، ص ۸۶-۱۸۳)

---

(۱) ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ/ جنوری ۱۹۵۳ء، ص ۴۳

(۲) روداد جلسہ انعام ۹۶-۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء، مندرجہ ماہ نامہ دارالعلوم بابت ماہ رمضان ۹۶-۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۶ء، ص ۱۲

آٹھ اصول، ترقی کا زینہ:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ اس مدرسے کے سب کچھ تھے، وہی روح رواں تھے۔ انہوں نے دارالعلوم کے لیے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان سے آپ ان کے ذہن مبارک کا بھی اندازہ لگائیں اور یہ بھی دیکھیں کہ دارالعلوم نے ان پر کار بند ہو کر کتنی ترقی کی ہے۔

تاریخ دارالعلوم سے ہم یہ وصایا نقل کرتے ہیں:

۱: اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں۔ خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲: بقائے طعام طلبا بلکہ افزائش طلبا میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشاں مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳: مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسے کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو۔ اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالف رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنیاد میں تزلزل آ جائے گا۔

القصہ! تہ دل سے ہر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں۔ یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آ جائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بہ دل و جان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہوں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو۔ اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بہ قدر

ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہوں کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا؟ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

۴: یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵: خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فایدہ ہوگا۔

۶: اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایا رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا۔

القصہ! آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷: سرکار کی شرکت اور امرا کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸: تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائے داری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم: ج۱، ص ۱۵۴-۱۵۳)

وصیت ۶، ۷، ۸ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور کبھی گورنمنٹ سے بھی گرانٹ نہیں لی گئی۔

یہ اکابر دارالعلوم کے حالات اور حضرت نانوتویؒ کی وصایا اس لیے لکھی گئی ہیں کہ دارالعلوم کی ترقی کی وجہ سامنے آجائے کہ یہ شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابتٌ

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کیوں کر بنتا۔

فاضل بریلی بہ ذات خود اس کی جڑوں پر تیشہ زنی کرتے رہے، لیکن اس کی ترقی پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑا۔ انہوں نے حسام الحرمین کے نام سے فتویٰ جاری کیا اور نہ جانے کتنی درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں، مگر بے سود۔ وہ ترقی کے سلسلے میں دار العلوم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ اور سبب کا خاکہ آپ کے سامنے آیا کہ در حقیقت دار العلوم علوم نبویہ اور اعمال نبویہ کا محافظ ادارہ ہے۔ استغنا و توکل پر اس کی بنیاد ہے اور اس پر خصوصی عنایات ربانیہ ہیں۔

اکابر دیوبند کا رویہ

علمائے دیوبند نے کبھی منع نہیں کیا کہ فلاں سنی حنفی سے نہ ملنا، اس کے پاس مت جانا، اس سے مصافحہ مت کرنا۔ وہ تقریر و تحریر میں بھی ایسا مضمون کبھی نہیں لائے اور نہ ان کے پیروکار ایسی بات کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے پیش نظر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا نہیں ہے جب کہ بریلویت نام ہی تفریق کا ہے۔

ایک سادہ لوح آدمی اسی وقت تک بریلوی رہتا ہے جب تک کہ وہ دوسرے حنفی سنی حضرات سے پرہیز کرتا رہے۔ ورنہ وہ فوراً بریلویت چھوڑ بیٹھتا ہے اور ان تفرقہ بازی کے خراب واہیات لغو اور باطل خیالات سے تائب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ تبلیغی جماعت میں جاتا ہے تو وہاں صرف دین کی باتیں سننے میں آتی ہیں، اخلاص کی تلقین کی جاتی ہے، عمل کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس جماعت کی بنیاد اخلاص عمل اور ہر مسلمان سے محبت اور اس کے اکرام پر ہے۔ وہاں کبھی دل آزاری کی بات سننے میں نہ آئے گی۔ مسلمان دین سیکھتا جائے اور اخلاص کے ساتھ عمل کرتا جائے۔ ان کی توجہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے بے عملی دور کرنے کی طرف ہے۔ اس کی فلاح کی دعا ان کی دعاؤں میں شامل ہے۔ یہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں۔ یہی ان کا دردِ دل ہے اور یہ جذبہ ان کو اکابر دیوبند سے پہنچا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی دعا:

حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد المدنی نوراللہ مرقدہ کی دعا سحر گاہی یہ ہوتی

تھی۔

كَرَمَكَ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ عَلَيَّ وَعَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''اے اکرام الاکرمین میں تجھے اپنے اوپر اور امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرم کا سوالی ہوں، تو کرم فرما''۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ تبلیغی جماعت کی بنیاد اخلاص کی تعلیم پر ہے، اس لیے اس کی بہت تلقین کی جاتی ہے اور سارے مسلمانوں کے ساتھ اخلاص برتنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کی آخرت سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے وہ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورہ والعصر:۳)

''اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی''۔

پر عمل کرتے ہیں۔ ایسی جماعت کو جب کوئی مسلمان قریب سے دیکھتا ہے، جماعت کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے یا اسے کسی دیوبندی عالم کے قریب رہنے اور اس کا درس اور وعظ سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ بریلویت سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ''بریلوی ذاکر حضرات'' سادہ لوح مسلمانوں کو ڈراتے اور ہدایت کرتے رہتے ہیں کہ ان کے پاس نہ جانا، انہیں سلام نہ کرنا، ان سے مصافحہ نہ کرنا، ان سے دور رہنا، بدمذہب اور ناپاک جاننا۔

جیسے بریلویوں کے سب سے بڑے بزرگ احمد رضا خان صاحب نے الزام تراشی کی ہے وہ بھی اسی طرح دن رات الزام تراشی میں لگے رہتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو دوسرے مسلمانوں سے دور رہنے کی ہدایات جاری کرتے رہتے ہیں۔ ان بریلوی واعظوں کو آخرت کا خیال تک نہیں آتا۔ نہ یہ خوف آتا ہے کہ خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور کل کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سامنا ہوگا۔ وہاں

امت میں اس تفرقہ بازی کے پھیلانے کا کیا جواب ہوگا؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ کے حوض کوثر سے ایسے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا جنہوں نے نئی چیزیں دین میں داخل کی ہوں گی۔

اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ (بخاری شریف:ص۹۷۴)

آپ کو پتا نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا احداث کیا ہے؟ تو میں کہوں گا دور ہو، دفع ہو، جس نے میرے بعد روش بدلی۔

میلاد منانا بے اصل ہے، صدر الشریعہ:

آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے بجائے بارہ وفات کے عید میلاد اور آخری چہارشنبہ کا جلوس (جسے بریلویوں کے صدر الشریعہ نے بہار شریعت کے ص۲۵۷، ۲۵۸ سولہویں حصے میں بے اصل لکھا ہے) پاکستان بننے کے بعد شروع ہوئے اور پہلے۔ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا تو صرف دو تین سال سے تازہ تازہ رواج شروع ہوا ہے اور ان باتوں پر اتنا زور دیا جانے لگا ہے کہ جیسے اصل ایمان یہی ہیں۔

بریلوی واعظ قرآن پاک اور دین کے فرایض سے نا آشنا لوگوں کو یہ یقین دلانے میں پوری قوت صرف کرتے ہیں کہ بس ان ہی چند اختلافی مسایل پر کفر و ایمان کا مدار ہے، ان کی دین سے ناواقفیت سے خوش ہوتے ہیں اور لڑ دا کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں، کیوں کہ اسی طرح وہ باقی رہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی باتوں کا یقین کرنا جھوٹ پر یقین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

(سورۂ توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

ان کی باتوں پر یقین کر کے زبان سے دہرانا ان کی بہتان طرازی میں شریک

ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا صحابۂ کرامؓ سے بیعت میں یہ جملے استعمال فرمائے ہیں.

وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ

(بخاری شریف. ج ۱ص ۷)

''اور کسی پر بہتان نہ باندھو گے کہ اپنے سامنے (جانتے بوجھتے) الزام گھڑو۔''

قرآن کریم میں بھی بہتان تراشی کے مواقع کے لیے یہ تعلیم موجود ہے:

لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (سورہ نور:۱۶)

''جب تم نے یہ سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم یہ بات کیسے زبان سے ادا کریں؟ خداوندا تیری ذات پاک ہے۔ یہ تو بہتان عظیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور ہم سب کو دین پر استقامت بخشے، اپنی مرضیات پر چلائے۔ آمین

حامد میاں غفرلہ

۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ،

۱۵ر نومبر ۱۹۷۹ء پنج شنبہ (جمعرات)

ماخذ

۱	القرآن الکریم		
۲	انتصار الاسلام	مولانا محمد قاسم نانوتوی	دیوبند
۳	الهدیة السنیة فی ذکر المدرسة الاسلامیة الدیوبندیة	مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	مطبع مجتبائی دہلی
۴	امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دار العلوم، کراچی
۵	ارواح ثلاثہ	مولانا اشرف علی تھانوی	کتب خانہ یحیوی سہارنپور
۶	الموضوعات الکبری		
۷	الموضوعات الکبیر	ملا علی قاری	
۸	اقبال کے ممدوح علما	افضل حق قریشی	مکتبہ محمودیہ لاہور
۹	احکام قرطاس	احمد رضا خان بریلوی	
۱۰	اطیب البیان	نعیم الدین مراد آبادی	
۱۱	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	غلام رسول سعیدی	
۱۲	انوار رضا		شرکت حنفیہ لمیٹڈ، لاہور
۱۳	المجمل المعدد لتالیفات المجدد		مرکزی مجلس رضا، لاہور
۱۴	بخاری شریف	امام بخاری	نور محمد کتب خانہ کراچی
۱۵	بیضاوی شریف	قاضی بیضاوی	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۱۶	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	اشرف المطابع تھانہ بھون
۱۷	البحر الرائق		
۱۸	براہین قاطعہ	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	دار الاشاعت، کراچی
۱۹	بہار شریعت	امجد علی اعظمی	
۲۰	ترمذی شریف	امام ترمذی	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۱	ترجمہ قرآن فارسی	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	تاج کمپنی، لاہور
۲۲	ترجمہ قرآن اردو	شاہ رفیع الدین محدث دہلوی	تاج کمپنی، لاہور
۲۳	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیر	بیروت
۲۴	تفسیر قرطبی	امام قرطبی	
۲۵	تفسیر ابن جریر		

۲۶	تفسیر بغوی	امام بغوی	
۲۷	تفسیر خازن		
۲۸	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۹	تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۳۰	تدریب الراوی	علامہ جلال الدین سیوطی	
۳۱	تقریب	امام نووی	
۳۲	تہذیب الاسماء واللغات	امام نووی	
۳۳	تاریخ دار العلوم دیوبند	مولانا سید محبوب رضوی	دار العلوم دیوبند
۳۴	تاریخ دیوبند	مولانا سید محبوب رضوی	دیوبند
۳۵	تاریخ صحافت اردو		
۳۶	تاریخ شاہجہاں پور	میاں صبیح الدین	
۳۷	تذکرۃ العابدین		دیوبند
۳۸	تفسیر نعیمی		
۳۹	جزاء الاعمال	مولانا اشرف علی تھانوی	اشرف المطابع تھانہ بھون
۴۰	جانبازان حریت		
۴۱	جاء الحق	احمد یار خان	
۴۲	حالات شیخ محمد تھانوی	شاہ الحق دیوبندی	
۴۳	حدائق بخشش (حصہ سوم)	احمد رضا خان بریلوی	کتب خانہ اہل سنت، نیپال
۴۴	حیات اعلیٰ حضرت	پروفیسر مسعود احمد	
۴۵	خزائن العرفان	نعیم الدین مرادآبادی	
۴۶	روح المعانی	علامہ آلوسی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۴۷	روداد دیوبند	۱۸۸۳ء	
۴۸	روداد جلسہ انعام	۱۹۲۷ء	
۴۹	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ	نور محمد کتب خانہ کراچی
۵۰	سنن دارمی	امام دارمی	بیروت
۵۱	سوانح قاسمی	مولانا سید مناظر احسن گیلانی	دار العلوم دیوبند
۵۲	سوانح مخطوطہ	مولانا محمد یعقوب نانوتوی	دار العلوم دیوبند
۵۳	سیرت مبارکہ	مولانا سید محمد میاں دیوبندی	کتابستان، دہلی

۵۴	سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا		
۵۵	شعب الایمان	امام بیہقی	
۵۶	شرح بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	
۵۷	ضیائے کنز الایمان		
۵۸	طبقات ابن سعد	مورخ ابن سعد	
۵۹	علمائے ہند کا شاندار ماضی	مولانا سید محمد میاں دیوبندی	مکتبہ رشیدیہ کراچی
۶۰	فتاوی شامی	علامہ شامی	
۶۱	فتاوی رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	میرٹھ
۶۲	مجموعۃ الفتاوی	مولانا عبدالحی	
۶۳	فتاوی رضویہ	احمد رضا خان بریلوی	
۶۴	کنز الایمان	احمد رضا خان بریلوی	
۶۵	کفل الفقیہ	احمد رضا خان بریلوی	
۶۶	لسان العرب	ابن منظور	
۶۷	مقدمہ رسائل چاندپوری		انجمن ارشاد المسلمین، لاہور
۶۸	مولانا محمد احسن نانوتوی	پروفیسر محمد ایوب قادری	
۶۹	مشکوۃ المصابیح	علامہ خطیب تبریزی	نور محمد کتب خانہ، کراچی
۷۰	محاسن کنز الایمان		
۷۱	مقدمہ کنز الایمان	رضا اعظمی	
۷۲	موضح القرآن	شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث دیوبندی	بجنور
۷۳	مقدمہ ابن صلاح	حافظ ابن الصلاح	
۷۴	ملفوظات اعلیٰ حضرت		

اخبارات و رسائل

خیر خواہ عالم۔ دہلی

ندائے عرفات۔ آزاد نگر

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

رضا خانیوں کی

کفر سازیاں

رضا خانی کتابوں سے ... مستند مجموعہ جس میں تقریباً ہر ایک ... [illegible]

... پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے ... [illegible]

... [illegible] ... کی خدمت میں پیش کیا

تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جن پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے ان کی دینی خدمات کیا ہیں۔

تالیف

مبلغ اسلام حضرت مولانا نور محمد مظاہری

تبویب و اضافات

علامہ ابو نافع امدادی

مولانا محمد طیب ظفر مند

ناشر

تحفظ نظریات دیو بند اکادمی

کراچی

☆ درود شریف جیسی عظیم عبادت کے ساتھ خرافات
☆ تاریخ میلاد کا موجد اور مروج کے حالات و عقائد
☆ تاریخ میلاد پر رقص و سرود کی محافل
☆ پہلی مرتبہ میلاد والنبی منانے والا غیر مقلد تھا۔
☆ اس کے بارے میں احناف کے فتاوے
☆ اہل بدعت کا ترجمہ قرآن و تفاسیر میں تحریفات

اور اس جیسی دیگر معلومات کے لیے ایک جامع کتاب

کیا صلوٰۃ وسلام اور محفل میلاد بدعت ہے؟

کا مطالعہ فرمائیں۔

اس کتاب کے بارے میں "نقطۂ نظر - اسلام آباد" کا تبصرہ ہے:

"جناب نعمان محمد امین نے تاریخ کے اوراق پلٹ کر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود وسلام کب سے پڑھنے کا آغاز ہوا؟ مجلس میلاد کا بانی کون تھا؟ اور وقت کے ساتھ میلاد النبی منانے کے کیا کیا انداز رہے ہیں۔ ان کے مطالعے سے حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خیر القرون سے جو کچھ ثابت ہے وہی دین ہے اور ان کی مخالفت کرنا بے دینی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حنفی فقہاء کے اقوال اور فتاوی سے بھی استشہاد کیا ہے۔" (ش ۶۰، بابت اکتوبر ۲۰۰۸ تا مارچ ۲۰۰۹)

تصویر بہ طور سند متعلقہ ص ۱۴۶

ص ۱۴۶ کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیجیے اور پھر اس تصویر کو دیکھیے۔ لیبیا کے معمر قذافی جو اہل قرآن - یعنی منکر حدیث ہے، کی اقتدا میں شاہ احمد نورانی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حال ہی میں ان کے حالات پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں آپ کا قول "زریں" نقل کیا گیا ہے کہ "میں نے کبھی بدمذہب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی" اور اس کی تشریح میں بدمذہب حرمین شریفین کے ائمہ کرام اور فقہ حنفی پر ثابت قدم علمائے اہل سنت و جماعت دیوبند شامل ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا گیا ہے۔ یا للعجب!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کس رضا خانی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟ جماعت رضا خانیت پر اس کا جواب ادھار ہے۔ ویسے یہ تصویر کئی سوالوں کو جنم دے رہی ہے اور میاں جی نے جو منہ چڑا رکھا ہے، جب کہ "اتحاد بین المسلمین" کے داعی ہونے کا گھمنڈ بھی ہے۔



ایک پیشین گوئی......جو پوری ہوگئی

دو کس بہ نام احمد گم راہ کنند بے حد　　　ساز نہ داز دل خود تفسیر فی القرآنہ

''دو شخص جن کے نام کے ساتھ احمد ہوگا، وہ لوگوں کو بہت گم راہ کریں گے، قرآن مجید کی تفسیر اپنے دل سے بنائیں گے''۔

۵۴۸ھ میں کی گئی یہ پیشین گوئی حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں اور آج ۱۴۳۱ھ ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اہل علم کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۴۸ھ سے لے کر قیامت تک کے بارے میں جو پیشین گوئی کی ہیں اور ان کے درمیاں ساڑھے آٹھ سو سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ عرصہ اور اس کے درمیان ہونے والے واقعات نے آپ کی ہر پیشین گوئی کو سچا ثابت کیا ہے۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پیشین گوئی یہ بھی تھی کہ دو اشخاص جن کے نام کے ساتھ احمد ہوگا وہ لوگوں کو بہت گم راہ کریں گے اور قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی رائے کو دخل دیں گے، اپنی من مانی تفسیر بیان کریں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ان میں ایک تو مرزا غلام احمد قادیانی اور دوسرے احمد رضا بریلوی ہیں۔ احمد رضا بریلوی کے معتقد تو خود قبول کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' ایک تفسیری ترجمہ ہے۔ آج دنیا میں ان دو ''احمد'' کے ماننے والے گم راہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والا گم راہ فرقہ ''قادیانی'' اور ''احمدی'' کے نام سے مشہور ہے، جب کہ احمد رضا بریلوی کے ماننے والا فرقہ ''بریلوی'' اور ''رضا خانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ویسے بھی ان دو فرقوں میں موجود مماثلت کو ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہٗ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''مطالعہ بریلویت'' میں خوب واضح کیا ہے۔

(نعمان محمد امین)